جس میں
ہر ایک اعتراض کا جواب
قرآن و حدیث کے حوالوں
کے ساتھ مُدلل کر کے
دیا گیا ہے۔

Difa e Ahnaf Library
App

تأثرات حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

اُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ، وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد!

فرقہ اہلِ حدیث (غیر مقلدین) ایک اسلامی فرقہ ہے۔ اہلِ قبلہ میں شامل ہے۔ مگر اہلِ حق میں شامل نہیں ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہے۔ اہلِ حق باجماعِ امت: احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ میں منحصر ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے مِائۃ دروس کے سبق نمبر ۹۵ میں اس کی صراحت کی ہے۔ آپ کی عبارت بعینہ یہ ہے:

الدرسُ الخامسُ والتسعُون فی المذاهب المُنتحِلَةِ إلی الاسلام فی زماننا: اهلُ الحقِّ منهم اهلُ السُّنة والجماعةِ، المنحصرون باجماعِ مَنْ یُعتَدُّ بهم فی الحنفیةِ والشافعیةِ والمالکیةِ والحنابلة: واهلُ الاهوَاءِ منهم: غیرُ المقلِّدین، الّذین یدَّعُونَ اتباعَ الحدیث، وانّی لهم ذٰلك: وجَهَلَةُ الصُّوفیة واشیاعهم مِنَ المُبتَدِعین، وان کانَ بعضُهم فی زِیِّ العلماء، والروافضُ والنیچریّةُ الذین یُضاهِئُون المعتزلة، فایّاك وایّاهم، فتدنس بهوَاهم/ ۱۳۹ و ۱۴۰۔

ترجمہ: سبق نمبر پچانوے: ہمارے زمانہ کے ان مذاہب کے بارے میں جو اسلام کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں: اہلِ حق ان میں سے اہلِ سنت والجماعت ہیں، جو منحصر ہیں، باجماع ان حضرات کے جنکا (اجماع میں) اعتبار کیا جاتا ہے: حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں۔ اور اہلِ ہوی ان میں سے (۱) غیر مقلدین ہیں، جو کہ اتباعِ حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ انہیں

اس دعوی کا حق نہیں ہے (۲) اور جاہل صوفی اور مبتدعین بھی ان کے پیرو ہیں، اگرچہ بعض انہیں سے علماء کی صورت میں ہیں (یعنی فرقۂ رضاخانی) (۳) اور روافض (شیعہ) (۴) اور نیچری جو کہ معتزلہ کے مشابہ ہیں (یعنی عقلیت پرست ہیں) لہذا اے مخاطب توان (چاروں فرقوں) سے بچ، ورنہ انکی خواہش نفسانی سے پلید ہوجائے گا۔
اور امداد الفتاوی ج ۴ صفحہ ۵۶۱ و ۵۶۲ میں صراحت ہے کہ:

ہمارا نزاع غیر مقلدوں سے فقط بوجہ اختلاف فروع وجزئیات کے نہیں ہے۔ اگر یہ وجہ ہوتی تو حنفیہ شافعیہ کی کبھی نہ بنتی، لڑائی دنگہ رہا کرتا۔ حالانکہ ہمیشہ صلح واتحاد رہا، بلکہ نزاع ان لوگوں سے اصول میں ہو گیا ہے، کن اصول میں نزاع ہے اسکی کچھ تفصیل کتاب میں آرہی ہے۔

اور باطل فرقوں کی نفسیات میں چند باتیں داخل ہیں: (۱) حق کو اپنی ذات میں منحصر کرنا۔ اور دوسروں کو گمراہ، کافر اور مشرک قرار دینا (۲) اسلاف کیساتھ، خواہ وہ کوئی ہوں، صحابہؓ ہوں، تابعین ہوں، ائمہ مجتہدین ہوں، علمائے امت ہوں، محدثین کرام ہوں یا صوفیائے عظام، سب کے ساتھ بدتمیزی، بدزبانی اور بے ادبی کرنا۔ (۳) تلبیسات اور دھوکہ دہیوں سے کام لینا، دوسروں کیطرف غلط باتیں منسوب کرنا، اور صحیح بات کو غلط مطلب پہنا کر مقصد برآری کرنا۔

زیرِ نظر کتاب جس اشتہار کا جواب ہے جسمیں ۵۶ اعتراضات ہیں۔ اور جو سرزمین مکہ میں تقسیم کیا گیا ہے وہ اس تیسری بات کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ کو کتاب میں جگہ جگہ اس بات کا مشاہدہ ہوگا کہ مشتہر نے کس طرح تلبیسات سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہمارے دوست حضرت مولانا شبیر احمد صاحب زید فضلہٗ (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مرادآباد) کو کہ انہوں نے تمام تلبیسات کا پردہ چاک کردیا ہے۔ اور مزید مسائل کی خوب تنقیح بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے۔ اور مسلمانوں کو اس گمراہ فرقہ کی دھوکہ دہیوں سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

رائے گرامی حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وکفی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امّا بعد!

صراطِ مستقیم جس کی دعا ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے۔ اس کی تعیین خود سورۂ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ سے کی گئی ہے۔ اور اَلَّذِیْنَ انعمت علیہم کی تفسیر قرآن کریم میں دوسری جگہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ (سورۂ نساء آیت ۶۹) سے کی گئی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باجماعِ امت بالیقین اس کا مصداق ہیں۔ اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افتراقِ امت والی حدیث میں فرقۂ ناجیہ کی تعیین مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی سے کی ہے۔ اور اسی لئے قرآن وحدیث کے صحیح معنوں ومفہوم کو سمجھنے کے لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو واسطہ بنانا ضروری ہے۔

جن لوگوں نے صحابۂ کرام کی وساطت کے بغیر از خود قرآن وحدیث کو سمجھنے کی کوشش کی وہ صراطِ مستقیم سے انحراف کے سبب گمراہ ہوگئے۔ اس طرح کی گمراہی سب سے پہلے خوارج میں پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ان لوگوں کی دوسری گمراہی یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کے علاوہ دوسری کسی بھی رائے کی گنجائش سے انکار کرتے تھے۔ بلکہ اس کو فسق وکفر کہنے میں بھی تامل نہیں کرتے تھے۔

یہی بات موجودہ زمانہ کے فرقۂ اہلِ حدیث میں پائی جاتی ہے کہ وہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کے بارے میں حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اور خوارج کا طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں۔ وہ خالی الذہن مسلمانوں کو تذبذب اور تشویش میں مبتلا

کرنے کے لئے کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور اشتہارات تقسیم کر رہے ہیں۔ اسی طرح کا ۵۶ اعتراضات پر مشتمل ایک اشتہار حرمین شریفین میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔ زیرِ نظر کتاب اسی اشتہار کا مدلل اور علمی جواب ہے۔ جسے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب زید مجدہم صدر مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے مرتب فرمایا ہے۔ اللہ اس کو عام مسلمانوں کے ذہن وفکر اور صراطِ مستقیم کی حفاظت کا ذریعہ بنائے اور قبول عام عطا کرے۔ آمین۔

وَالحَمدُ للهِ اَوّلاً وَّاٰخِراً۔

نعمت اللہ عفی عنہ
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند
۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ

رائے گرامی حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم

اُستاذِ حدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامِدًا ومُصلّیًا! مسلمانوں کے درمیان جس فرقہ نے سب سے پہلے اختلاف کیا ان کا نام خوارج ہے۔ یہ لوگ نصوصِ قرآن وسنت سے غلط مطلب نکالتے تھے۔ اور اپنے نکالے ہوئے مطلب کے علاوہ دوسرے رُخ کی گنجائش نہیں سمجھتے تھے، اور اسی لئے دوسرا رُخ اختیار کرنے والوں کے بارے میں دریدہ دہنی اور گستاخی کا ارتکاب کرتے تھے۔

اس دور کا فرقہ اہلِ حدیث ان باتوں میں خوارج سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ کہ یہ نصوص فہمی میں منہاجِ اہلِ حق کے پابند نہیں ہیں۔ اور اپنی رائے کے علاوہ کسی رائے کی گنجائش نہیں سمجھتے، اور قابلِ احترام اسلاف کے بارمیں گستاخی کرنے اور حدود سے بھی تجاوز کرنے میں انہیں کوئی شرمندگی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں نے اپنے احوال کی اصلاح نہ کی تو مستقبل میں انکا خارجی ہونا بالکل صاف ہوجائیگا۔ چند سالوں سے ان کی غلط حرکتوں سے عالمِ اسلام میں بے چینی محسوس کی جارہی ہے۔ حد یہ ہے کہ حرم محترم کی سرزمینِ پاک بھی انکی نازیبا حرکتوں سے محفوظ نہیں ہے۔ اور کچھ میں نہیں آتا کہ حرم کے پاسبان انکی حرکتوں کا احتساب کیوں نہیں کررہے ہیں۔

عزیزِ محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب زید مجدہم صدر مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے اپنی اس تازہ کتاب میں جن ۵۶ اعتراضات کا جواب دیا ہے وہ بھی ایک اشتہار کی صورت میں اسی سرزمینِ مقدس میں تقسیم کیا جارہا تھا۔ اور اسکا جواب دینا علماء کیلئے فرضِ کفایہ تھا۔ موصوف محترم کو اللہ تعالیٰ نے اس فرضِ کفایہ کے ادا کرنیکی توفیق دی کہ ان کو علمی کاموں کا بہترین سلیقہ ہے۔ الحمدللہ تمام جوابات صحیح اور تسلی بخش ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور مزید اعمالِ خیر کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین۔　والحمدللہ اولاً وآخراً۔

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

سببِ تالیف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ طَائِفَۃً لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْکَوْنَیْنِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ٭ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اس کتاب کے لکھنے کا سبب یہ بنا کہ پچھلے کئی سالوں سے حجازِ مقدس میں حج بیت اللہ کے موقع پر حرم مکی اور حرم مدنی میں ہند، پاک اور بنگلہ دیش کے غیر مقلدین نے اپنے آپ کو حجاز مقدس کے لوگوں کے سامنے سلفی ہونے کا اظہار کر رکھا ہے۔ حالانکہ ہندوستانی پاکستانی غیر مقلدین نہ سلف کو مانتے ہیں اور نہ ہی سلف کے اتباع کو اسلامی زندگی کے لئے مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اجلہ صحابہ اور خلفاء راشدین کی شان میں ایسا سخت جملہ استعمال کرتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی بدعت ہے، اور یہ عمرؓ کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اور یہ عثمان کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین کے بارے میں خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گستاخی کر لیتے ہیں کہ ابو حنیفہ کو کیا حق پہنچتا ہے۔ اسی طرح مسلکِ حنفی کے علماء کو مبتدع اور بدعتی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اور حجاز مقدس کے ذمہ دار علماء اور جامعات کے اساتذہ اور ائمہ حرمین اور وہاں کے طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھا رکھی کہ حنفی مسلک کے لوگ مبتدع اور بدعتی ہوتے ہیں اور خود کو سلفی ہونا ثابت کر رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۴۱۹ھ کو حج کے موقع پر دیکھنے میں آیا کہ مسجد نبوی کے چاروں طرف صحنوں میں جامعات کے غیر مقلد طلبہ اُردو میں جوشیلے انداز سے صرف ایک بات بیان کرتے ہیں جس کا حاصل ائمہ مجتہدین خاص طور پر ائمہ اربعہ کی

تقلید کی مذمت تھی۔ متعدد افراد کے بیانات سُننے میں آئے سب اسی موضوع پر تقریر کر رہے تھے۔ نیز مسلکِ حنفی اور ان کے علماء اور بزرگوں کو درمیان درمیان میں نشانہ بنایا جارہا تھا۔ طبیعت چاہتی تھی کہ بعض لوگوں کی تقریر کے درمیان میں ٹوک دیں، لیکن ان کے پاس اجازت کا کارڈ تھا اسلئے خطرہ تھا کہ اگر وہاں ہم بولتے ہیں تو مجرم ٹھہرائے جائیں گے، پتہ نہیں کہاں تک پہنچادیتے۔ لہٰذا صبر کرتا رہا۔ ہندوستان کے بعض علماء نے وہاں کے مُدیر اعلیٰ سے شکایت کی کہ آپ ان کے بیانات کی نگرانی فرمائیں یہ تفریق بین المسلمین کا سلسلہ شروع ہورہا ہے۔ اس کے بعد امسال دیکھنے میں آیا کہ انہوں نے طریقہ بدل دیا کہ امام ابوحنیفہؒ کو بچاکر مسلکِ حنفی پر زبردست حملہ کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا: اذا صح الحدیث فھو مذھبی، لہٰذا حنفی مسلک کے تمام مسائل جو بخاری ومسلم کی بعض صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں اُن کو پیش کرکے ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے کہنے کے مُطابق یہ مسائل غلط ہیں۔ لہٰذا امام صاحب کے قول کے مطابق ان مسائل کو چھوڑ دینا چاہئے، اور حدیث کو ماننا چاہئے۔ لیکن یہ نہیں کہتے کہ ان مسائل کی تائید میں بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ (امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میرا کوئی قول حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ پھر بھی بالفرض اگر کوئی قول ایسی صحیح حدیث کے خلاف ہو جو حدیث کسی دوسری حدیث یا کسی آیت کے معارض نہ ہو تو وہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے)
اور حنفی مسائل کی تائید میں جو حدیثیں ہیں ان کو غیر مقلدین کسی بھی طریقہ سے ضعیف اور متکلم فیہ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز مسئلہ توسل کو لیکر بھی حنفی مسلک کے اوپر آزادانہ حملہ کرتے ہیں۔ ان حالات میں حنفی مسلک کے کوئی بڑے عالم وہاں کے لوگوں کو جواب نہیں دے سکتے۔ کوئی بھی بولے گا فوراً یہ الزام لگائیں گے کہ یہ بدعت پھیلانے آیا ہے۔

اور امسال ایک دوسری زیادتی جو حد سے بہت آگے تجاوز کرچکی تھی یہ دیکھنے میں آئی

کہ مکۃ المکرمہ کی گلیوں اور مسجدوں میں مطرق الحدید کے نام سے ایک بڑا اشتہار بانٹا جا رہا تھا جس میں حنفی مسلک پر حنفیہ کی کتابوں کے حوالے سے غیر مقلدین نے چھپن ۵۶ اعتراضات پیش کر کے چیلنج دیا ہے۔ مکۃ المکرمہ کی گلیوں میں احقر کو بھی یہ اشتہار ملا۔ اور پھر دو دن کے بعد مسجدِ حرام کے اندر باضابطہ یہ اشتہار تقسیم ہوتا ہوا دیکھنے میں آیا۔ چنانچہ اس اشتہار کے تقسیم کے موقع پر ہمارے دوستوں میں سے حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب، مولانا محمد میثاق صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب گونڈوی، مولانا عبد الناصر صاحب، مولانا عبد المنان صاحب، قاری انس صاحب۔ یہ سب مسجدِ حرام میں ایک جگہ تشریف فرما تھے، ان کے ہاتھ میں بھی یہ اشتہار آیا۔ اور ان کے سامنے مسجدِ حرام کے مباحث جو خفیہ تحقیق کرنے والے ہیں وہ بروقت وہاں پہنچے ان سب حضرات نے ان سے شکایت کی کہ یہ اشتہار ہے فلاں آدمی بانٹ رہا ہے۔ تو اس مباحث نے بجائے اس پر روک تھام کرنے کے صرف اتنی بات کہہ کر ٹال دیا کہ مسجد کے اندر نہ بانٹو۔ مسجد کے باہر بانٹو۔ کیونکہ بانٹنے والا غیر مقلد تھا، جو اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے۔ اور وہاں جو سلفی کہہ کر رہتے ہیں ان کو بڑی اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور عجیب حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اشتہار مرتب کرنے والا ضلع بالیسر صوبہ اڑیسہ کا رہنے والا اور اس کی اشاعت کرنیوالا ضلع گونڈہ صوبہ یوپی کا رہنے والا ہے۔ اور یہ اشتہار اردو زبان میں ہے۔ پھر اس اشتہار کو حج کے موقع پر حجاز مقدس میں بانٹا جا رہا ہے۔ یہ سب حرکتیں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ان غیر مقلدین کی غلط اسکیمیں عالمی سطح پر سرگرم عمل ہیں۔ اس بنا پر اس اشتہار کے جوابات لکھنا ضروری محسوس ہوا۔ ورنہ یہ اشتہار اس قابل نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ اسلئے کہ چند مسائل یعنی مسئلہ قراءت خلف الامام۔ اور مسئلہ رفع یدین، مسئلہ آمین بالجہر، زیر ناف ہاتھ باندھنے کا مسئلہ اور مسئلہ توسل اور بیس رکعات تراویح، مسئلہ علم غیب اور مسئلہ زیارت قبور۔ اہمیت کے حامل ہیں، جن کے جوابات لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ انکے علاوہ باقی مسائل ایسے

نہیں ہیں جن کے جوابات لکھے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس خالی الذہن مسلمانوں کے سامنے کثرت کو دکھانے کے لئے سوالات کی بھرمار کر رکھی ہے۔ ناظرین کو پڑھتے وقت خود معلوم ہوجائیگا۔ نیز اس لئے بھی جواب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ عالم یا غیر عالم غیر مقلدین حدیث کی کتابوں کا اُردو ترجمہ لیکر پھرتے رہتے ہیں، اور اس میں سے اپنے مطلب کی عبارات خالی الذہن عوام کو دکھا کر شکوک میں مبتلا کرتے رہتے ہیں اور جو اس کے خلاف عبارت ہوتی ہے اُسے نہیں دکھاتے۔

بہرحال چھپنؔ اعتراضات میں سے ہر ایک کے جوابات اسی ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو اس اشتہار میں مرتب ہیں۔ اور انشاء اللہ ناظرین کو سوالات اور جوابات پڑھتے وقت حق و باطل کے درمیان امتیاز معلوم ہوجائیگا۔ اور انکے پیش کئے گئے سوالے اکثر غلط ثابت ہونگے۔

دیوبندی مکتبِ فکر کی گذارش

ناظرین سے گذارش ہے کہ اعتراض لکھنے والے غیر مقلدین نے بلا امتیاز احناف کو مخاطب فرمایا ہے۔ غیر مقلدین یاد رکھیں کہ فقہ حنفی کو ماننے والے مقلدین ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برما، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ، امریکہ کے مختلف علاقوں میں نیز ترکستان، ملکِ شام، عراق، ایران کے بعض خطے اور افغانستان اور اس کے آزاد شدہ ممالک اور دُنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے برصغیر یعنی پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور ہندوستان میں فقہِ حنفی کو ماننے والے دوؔ قسم کے مکتبِ فکر مشہور ہیں۔

① **دیوبندی مکتبِ فکر**:۔ جو پوری دُنیا کے اندر شہرۂ آفاق ہے۔ اور اسی مکتبِ فکر کے حنفی لوگ دُنیا کے ہر ملک میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ اور اسی مکتبِ فکر کے لوگوں میں بڑے بڑے اہل علم، محدثین اور فقہاء و مصنفین کثرت کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں جو دُنیا کے طول و عرض میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور اسی مکتبِ فکر کے لوگوں کی حدیث

وفقہ اور تفسیر و سیرت کی کتابیں دُنیا کے ہر ملک کے مکتبوں اور لائبریریوں اور اہلِ ذوق علماء کے ہاتھوں میں ملیں گی۔

② - **بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ:-** جن میں اہلِ علم کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے یہاں اہلِ علم کی کمی اور جہلاء کی کثرت کی وجہ سے بہت سے ایسے امور رائج ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ سے ثابت نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے دیوبندی مکتبِ فکر اور بریلوی مکتبِ فکر کے علماء کے درمیان ناقابلِ فراموش اختلافات ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے سلام و مصافحہ کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور چونکہ غیر مقلدین نے اعتراضات میں بلا امتیاز احناف کو مخاطب کیا ہے اسلئے یہ جوابات دیوبندی حنفی مکتبِ فکر کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں اور بریلوی مکتبِ فکر کے لوگوں کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسلئے ناظرین اعتراضات اور جوابات پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں۔

ناظرین سے گذارش

ناظرین سے یہ گذارش ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے پہلے ہماری یہ تحریر ضرور پڑھیں۔ اس کے بعد غیر مقلدین کا پیش کردہ وہ اشتہار جو یہاں چسپاں ہے بغور پڑھ لیں۔ اس کے بعد ہر ایک اعتراض اور جواب پڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بسجود دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان سے شکوک و شبہات کو دُور فرمائیگا۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی حفاظت فرمائیگا۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ❊ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللّٰہ اکبر کبیرًا والحمدُ للّٰہِ کثیرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد یوپی۔ الہند

۲۲ صفر ۱۴۲۲ھ

مولویوں اور درویشوں کی بات

(اعتراض ۱): یہود و نصاریٰ اپنے مولویوں اور درویشوں کا کہا مانتے تھے اس لئے اللہ نے انہیں مشرک فرمایا؛ بحوالہ مقدمہ عالمگیری۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اللہ اور رسول نے یہود و نصاریٰ کے علماء کی بات ماننے پر ان کی مذمت فرمائی ہے۔ اور اس مذمت کی دو وجہ ہیں۔ ① ان کے علماء علماءِ سُوء تھے آسمانی کتابوں میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرتے تھے۔ اور تحریف شدہ باتیں قوم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ قوم اسی کو شریعت تسلیم کرلیتی تھی۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان الفاظ سے فرمایا ہے: وَيُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ الآیۃ (مائدہ آیت ۱۳) ان کے علماء خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں۔ ② یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور عابدوں کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان کے علماء نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رکھا تھا: جیسا کہ اللہ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (سورہ توبہ آیت ۳۱)

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

قوله تعالىٰ: اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ قال اهل المعانى: جعلوا احبارهم ورهبانهم اربابا حيث اطاعوهم فى كل شيء، سئل حذيفة عن قول الله عزّ وجلّ: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، هل عبدوهم؟ فقال لا، ولكن احلّوا لهم الحرام فاستحلّوه وحرّموا عليهم الحلال فحرّموه۔ (تفسیر قرطبی ۸/۷، تفسیر خازن ۲/ ۲۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قول "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب اہل معانی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور عابدوں کو ہر شئی میں خدا کا درجہ دیکر ان کی اطاعت کرتے تھے۔ اور حضرت حذیفہؓ سے دوسرا مطلب یہ بھی مروی ہے کہ پوچھنے پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ان کے علماء حرام کو ان کیلئے حلال کہتے تھے تو وہ لوگ اسکو حلال

سمجھتے تھے۔ اور حلال کو ان پر حرام قرار دیتے تھے تو وہ لوگ اس حلال کو حرام سمجھتے تھے۔ یہ اُن کے علماءِ سوء کا کارنامہ تھا۔

یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ان کے علماء نے جو دین کی حق بات کہی ہے اس کا ماننا بھی جائز نہیں تھا۔ اُمتِ محمدیہ اور ائمہ مجتہدین کے علماء کو یہود و نصارٰی کے علماءِ سُوء پر قیاس کرنا آقا رِ نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشاد اور منشاء کی مخالفت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" (ابوداؤد ۲/۵۱۳ بخاری ۱/۱۶) اُمتِ محمدیہ کے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِىْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ (الحدیث ترمذی ۲/۹۸) (آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمہارے ادنیٰ شخص پر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ یہ اُمتِ محمدیہ کے علماء کی فضیلت ہے۔ اور ائمہ اربعہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو مسائل مستنبط فرمائیں ہیں وہ منشاءِ شریعت کے عین مُطابق ہیں۔ پھر اُمتِ محمدیہ کے علماء اور حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبل کو یہود و نصارٰی کے علماءِ سُوء پر قیاس کرنا کتنا بڑا ظلم اور امت کے سوادِ اعظم پر کتنا بڑا جارحانہ حملہ ہے۔ اللہ اکبر۔

غیر مقلدین نے خالی الذہن مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کیلئے جو اشکالات پیش کئے ہیں کیا وہی اُن کی عبادت ہے۔

بڑوں کی بات مت پوچھو

(اعتراض ۲) "مومنوں کو حکم دیا کہ بڑوں کا قول مت پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اللہ اور رسول کا حکم کیا ہے"۔ بحوالہ عالمگیری ۱/۱۳

یہ حوالہ غلط ہے اور جو بات پیش کی گئی ہے۔ کہ مومنوں کو حکم دیا کہ بڑوں کے قول کو مت

پوچھو بلکہ اللہ اور رسول کا جو حکم ہے اس کو پوچھو یہ بھی غلط ہے۔ ہاں البتہ اتنی بات اپنی جگہ درست ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف اگر کسی کی بات ہو تو اسے نہ مانی جائے۔ بلکہ قرآن وحدیث ہی کی بات مانی جائے۔ حنفی مسلک کے لوگ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن اگر علماء مجتہدین قرآن وحدیث سے مستنبط کرکے کوئی مسئلہ تبلائیں تو وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہوتا اس کا ماننا بھی لازم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام کے اجماع سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ بھی عین حدیث کے موافق ہوتی ہے۔ اسلئے اسکا ماننا بھی واجب ہوجاتا ہے۔ اور اس کا نہ ماننا گمراہی ہوگی۔ جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " فعلیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ ۔ (ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ۲/۹۶) مستدرک حاکم ۱/۱۸۷ —

ترجمہ: تم میری سنت اور ان خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو جو ہدایت کیلئے مشعل راہ ہیں اسے اپنی ڈاڑھ سے پکڑو کہیں چھوٹنے نہ پائے۔

غیر مقلدین اگر اپنے مذکورہ الفاظ سے یہی مراد لیتے ہیں۔ تو حنفی مسلک کے لوگوں پر کوئی الزام نہیں کیونکہ احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ چنانچہ امام صاحبؒ نے فرمایا:

" اذا صح الحديث فهو مذهبي " (شامی زکریا ۱/۱۶۷، ۸/۱۹۶، ۲/۵۰، رسم المفتی/۶۶)

یعنی جب میرے قول کے خلاف کوئی ایسی صحیح حدیث مل جائے جس سے کسی آیت یا دوسری حدیث یا اجماع کا تعارض نہ ہو تو وہی حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔ لیکن اگر وہ حدیث صحیح کسی آیت یا حدیث یا اجماع کے معارض ہے تو وہ حدیث صحیح امام ابوحنیفہ کا مذہب نہ ہوگا۔ بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب وہی ہوگا جو ان کا قول راجح ہے۔ نیز اگر تلاش کیجائے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہر قول کے موافق کوئی نہ کوئی حدیث رسولؐ مل جائے گی۔ نیز امام صاحبؒ نے اذا صح الحدیث والی بات اسلئے فرمائی ہے کہ امام صاحب کا کوئی قول حدیث کے مخالف نہیں ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتباع سے ہوتی ہے

اعتراض ۳۳ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محض زبان سے نہیں ہوتی بلکہ اتباع سے ہوتی ہے۔ بحوالہ شرح وقایہ ۱۰/

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضورؐ کی محبت صرف زبان سے نہیں ہوتی بلکہ اتباعِ سنت سے ہوتی ہے یہی ائمہ اربعہ خاص طور پر امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے۔
یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ غیر مقلدین نے اس بات کو لیکر حنفیہ پر کیوں اشکال کیا؟ حالانکہ حنفیہ کا عقیدہ اس کے خلاف نہیں ہے۔ اور وہ اسی کے قائل ہیں۔ اور قرآن وحدیث کے اندر اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ غیر مقلدین بھائیوں سے گذارش ہے کیا یہ انصاف کی بات ہے۔

آیتِ قرآنی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (سورہ آل عمران ۳۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو یعنی میری سنت کا اتباع کرو۔
اس کی وضاحت کیلئے کافی و وافی ہے۔ علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

• قال الازھری محبۃ العبد للہ ولرسولہ طاعتہ لھما واتباعہ امرھما، وقال سھل بن عبد اللہ علامۃ حب النبی حب السنۃ

(تفسیر قرطبی ۴/ ۶۰)

ترجمہ:- ازہری نے کہا کہ اللہ اور رسول سے بندے کی محبت ان کی اطاعت اور ان کے حکم کے اتباع سے ہوتی ہے۔ اور سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ نبی کی محبت کی علامت سنت کی عملی محبت ہے۔

جو سنت کو حقیر جانے وہ کافر ہوگا

(اعتراض ۴) "جو سنت کو حقیر جانے وہ کافر ہوگا" بحوالہ درمختار ۲۱۸/۱، ہدایہ ۵۴۱/۱)

یہ مسئلہ بھی درمختار اور ھدایہ کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ نفس مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ جو شخص سنت کو حقیر جانے وہ حد کفر کو پہونچ جائیگا۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور حنفیہ اسکے ہرگز منکر نہیں پھر اس کو لیکر حنفیہ پر...... اعتراض کیوں کیا گیا؟ بلا وجہ بے قصور کو قصور وار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس قسم کی باتوں کو لیکر حجازِ مقدس میں ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ جبکہ وہاں کے لوگوں کو یہاں کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے یہاں اس کا فیصلہ ہوگا۔

تارکِ سنت

(اعتراض ۵) "جو سنت کو ہلکا جان کر برابر ترک کرے وہ کافر ہے"
(بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۷۷/۱)

سنت کو ترک کر دینا اور اس پر عمل نہ کرنا الگ مسئلہ ہے۔ اور سنت کو ہلکا سمجھنا دوسرا مسئلہ ہے۔ سنت کو ترک کر دینا اور اسکا عادی بن جانا موجب فسق ہے موجب کفر نہیں، ورنہ ہم حجازِ مقدس میں بہت سے سعودی بھائیوں کو دیکھتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ کیا ان کے اوپر کفر کا فتویٰ لگ جائیگا؟ ہرگز نہیں ہاں البتہ ترکِ سنت کا عادی بن جانا عمل کی خرابی ہے۔ یہ فسق کا سبب بن جاتا ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ سنت کو ہلکا سمجھنا اسکا استخفاف اور اسکی حقارت کرنا یہ عقیدہ کی خرابی ہے جو موجبِ کفر ہے۔ اسکے حنفیہ بھی قائل ہیں۔ اور اسکو لیکر حنفیہ پر اعتراض کرنا یہ بھی ایک بیجا ظلم ہے چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔

لو قال بطريق الاستخفاف معناه كثيراً يكفر (تاتارخانیہ ۲۸۱/۵)

ترجمہ: اگر استخفاف اور حقارت سے کہا ہے تو بہت سے علماء نے موجبِ کفر کہا ہے۔

حدیث کا رد کرنے والا گمراہ

(اعتراض ۶) حدیث کا رد کرنے والا گمراہ ہے۔ بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۳۰۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ حدیث کا رد کرنیوالا گمراہ ہے یہی حنفیہ کا عقیدہ ہے ـــ حدیث کے رد کرنیوالے تین قسم کے لوگ ہیں (۱) وہ شخص جسکے پاس اس حدیث کے مقابلہ میں قرآنی آیت یا دوسری حدیث شریف موجود ہے' اور وہ اس آیت کریمہ اور اس دوسری حدیث کے ذریعہ سے رد کرتا ہے تو اُسے گمراہ قرار نہیں دیا جائیگا۔ (۲) وہ شخص جو بلا کسی دلیل کے محض فخر و غرور کی وجہ سے یوں ہی رد کر دیتا ہے تو ایسا شخص گمراہ ہے (۳) وہ شخص جو حدیث شریف کو حقیر سمجھ کر استخفاف اور حقارت سے رد کرتا ہے حالانکہ وہ حدیث متواتر یا مشہور ہے تو ایسے شخص کے بارہ میں کفر کا خطرہ ہے۔ جب حنفیہ کا یہی عقیدہ ہے تو پھر حنفیہ کے خلاف اس بات کو پیش کرنیکا کیا مقصد ہے؟ کیا حنفیہ کا قول و عمل اسکے خلاف ثابت ہے؟ اگر غیر مقلدین نے کہیں اس کے خلاف دیکھا ہے تو وہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہے۔ اور حنفیہ پر الزام نہیں آتا۔ اگر غیر مقلدین جو اپنے آپ کو بتکلف سلفی کہتے ہیں حالانکہ وہ سلفی نہیں ہیں ان کا عقیدہ اس کے خلاف ہے تو وہ خود فیصلہ کریں کہ انکا عقیدہ کیا ہے؟ اور ان پر کیا حکم لگنا چاہیے۔ تاتارخانیہ میں ہے:

اذا روى رجل حديثا على النبي صلے الله عليه وسلم وردهٗ آخر قال بعض مشائخنا: انهٗ يكفر ومن المتأخرين من قال: ان كان متواترًا يكفر (تاتارخانیہ ۵/۴۸۱) ولو قال فی حدیث۔ آنمرد چنیں گفت • واراد به النبي صلى الله عليه وسلم يكفر لانهٗ استخفاف (تاتارخانیہ ۵/۴۸۲)

ترجمہ: جب کوئی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے حدیث پیش کرے اور دوسرا آدمی اُسے حقارت سے رد کر دے تو ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ اس کو کافر قرار دیا جائے اور بعض متأخرین نے کہا کہ اگر حدیث شریف متواتر ہے تو کافر قرار دیا جائیگا۔ اور اگر کسی حدیث کے بارہ میں حضورؐ کو مراد لیتے ہوئے یہ کہا کہ وہ مرد کیا کہتا ہے تو اسکو کافر قرار دیا جائیگا۔ اسلئے کہ اس نے آپؐ کی حقارت اور اہانت کی ہے۔

آیتِ قرآنی کے ساتھ بے ادبی کفر ہے

(اعتراض ۱۸) "جو شخص مسخرہ پن یا بے ادبی کسی آیت کے ساتھ کرے وہ کافر ہے" بحوالہ درمختار ۲/ ۵۱۳۔

اعتراض میں نقل کی گئی بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جو شخص کسی آیت کریمہ کے ساتھ تمسخر اور مسخرہ پن کرتا ہے یا کسی اور طریقہ سے بے ادبی کا انداز اختیار کرتا ہے تو ایسا شخص ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔ یہی حنفی دیوبندی اہلِ سنت والجماعت اور ائمہ اربعہ کا عقیدہ ہے۔ اگر غیر مقلدین کا اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ ہے تو وہ اپنے عقیدہ کو خود جانیں، حنفیہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر حنفیہ کو شکوہ یہ ہے کہ حنفیہ پر اسکو لیکر کیوں اشکال کیا گیا؟ اس سے خالی الذہن مسلمانوں کو اس طرح شکوک میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ حنفیہ کا عقیدہ ایسا ہی ہے —— اور مسلمان حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کے بارے میں بدگمان ہوجائیں۔ اللہ کے یہاں اس کا فیصلہ ہوگا۔ حنفیہ کی کتابوں میں صحیح لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے عالمگیری میں ہے:

اذا قرئ القرآن علی ضرب الدف والقصب فقد کفر (عالمگیری ۲/ ۲۶۶)

اذا انکر الرجل آیۃ من القرآن او تسخر بآیۃ فقد کفر (عالمگیری ۲/ ۲۶۶)

تاتارخانیہ میں ہے: ویکفر اذا انکر آیۃ من القرآن او تسخر بآیۃ منہ۔

(تاتارخانیہ ۵/ ۲۹۰)

ترجمہ: جب دف بجانے اور بانسری بجانے کے ساتھ قرآن پڑھا جائے تو کافر قرار دیا جائیگا۔ جب آدمی قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے یا کسی آیت کے ساتھ مسخرہ پن اور مزاق کرے تو کافر ہوجائے گا۔ ایسے ہی تاتارخانیہ، البحرالرائق اور عالمگیری میں ہے۔

بغیر علم حدیث فہمی گمراہی ہے

اعتراض ۸: "لوگ علم کے بغیر حدیث طلب کریں گے وہ تباہ ہوں گے"
(بحوالہ مقدمہ عالمگیری ۱/۴۳)

اس عبارت سے غیر مقلدین کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں؟ فرشتوں کی تحریر ابن آدم سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہاں اگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں کہ بغیر علم جو لوگ براہ راست حدیث سمجھنے کی کوشش کریں گے وہ تباہ ہوں گے۔ تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے جو خود غیر مقلدین کے خلاف پڑتی ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اُولوالعزم علماء ربانیین ہی احادیث شریفہ کی گہرائی میں پہنچ کر مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں۔ اور جن لوگوں میں درجہ اجتہاد کا علم نہیں ان پر ضروری ہے کہ ائمہ مجتہدین احادیث شریفہ کا جو مفہوم بتلائیں اسی کے مطابق عمل کریں، اپنی طرف سے رائے زنی نہ کریں۔ اگر اپنی طرف سے رائے زنی کریں گے تو گمراہ ہوں گے۔ اور یہی غیر مقلدین جو اپنے آپ کو　سلفی کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں کہ درجۂ اجتہاد کا علم ان میں نہیں ہوتا پھر بھی احادیث شریفہ کو اپنے من کے مطابق سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنی سمجھ کو ائمہ مجتہدین کی سمجھ سے بالاتر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فقہاء کے اجتہاد پر عمل کا حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہادی مسائل میں فقہاء عابدین سے مشورہ کر کے ان کی سمجھ کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنی سمجھ پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ سے صحابہ نے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ نہ اس کو کرنے کا حکم واضح ہے اور نہ ہی

نہ کرنے کا حکم ہے۔ تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایسے مسائل میں اپنی رائے اور اپنی سمجھ پر ہرگز عمل نہ کرنا۔ بلکہ امت کے فقہاء ربانیین اور ائمہ مجتہدین کے مشورہ اور ان کے اجتہاد پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

حدیث شریف یہ ہے:

شاوروا فیہ الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ (مجمع الزوائد ۱/۱۷۸) وفی المعجم الاوسط: عن علی قال: قلت یارسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان: امر ولا نہی، فما تأمرنا؟ قال: تشاورون الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ (معجم الاوسط ۲/۳۶۸) وفی حاشیۃ: الحدیث من الزوائد: فقد ذکرہ الھیثمی فی مجمع الزوائد کتاب العلم باب الاجماع ۱/۱۷۸) وقال: رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثوقون من اھل الصحیح۔

(المعجم الاوسط ۲/۳۶۸)

ترجمہ: اس کے بارے میں فقہاء اور علماء ربانیین سے مشورہ کرو، اور اس میں اپنی رائے سے کام نہ لو۔ اور معجم اوسط میں حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے معلوم کیا کہ اگر ہم میں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں نہ کرنے کا حکم واضح ہے اور نہ ہی نہ کرنے کا حکم۔ تو اس کے بارے میں ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم ایسے معاملات میں فقہاء اور علماء ربانیین سے مشورہ کرو، اور اپنی رائے اور اپنی سمجھ سے کام مت لو۔ اس حدیث کی سند میں تمام رُواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔

لہٰذا مذکورہ اعتراض میں جو باتیں لکھی گئی وہ خود حضرات غیر مقلدین ہی کے خلاف پڑتی ہیں۔ حنفیہ پر کوئی الزام نہیں۔

کیا فقہ میں موضوع حدیث ہے؟

اعتراض ۹ فقہ میں جو احادیث ہیں اُن پر اعتماد کلی نہیں ہو سکتا جبتک کہ کتب حدیث سے صحیح نہ کرلی جائے۔ حالانکہ فقہ میں احادیث موضوع بھی ہیں۔
(بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۱۰۸)

یہ بات ہدایہ کے مقدمہ میں نہیں ہے بلکہ عین الہدایہ کے مقدمہ میں ہے۔ غیر مقلدین نے عین الہدایہ کو ہدایہ ہی سمجھ لیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عین الہدایہ تو ہدایہ کا ترجمہ ہے۔ اور مترجم نے ترجمہ کے بعد جگہ جگہ بہت سی باتیں لکھ ڈالی ہیں۔ ان باتوں کو صاحب ہدایہ کی جانب منسوب کرنا نہایت غلط ہے۔ بلکہ صاحب عین الہدایہ کی جانب منسوب کرنا چاہئے۔

اب اصل بات کا جواب یہ ہے کہ صاحب عین الہدایہ نے عمدۃ الرعایہ کے حوالہ سے ایک بات نقل فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہ کے مصنفین دو قسموں پر ہیں۔

۱۔ وہ مصنف جو نہ فقیہ ہوتے ہیں اور نہ ہی محدّث۔ اسی لئے ان لوگوں کو نہ حدیث کا ماخذ معلوم ہوتا ہے، اور نہ فقہ کے جزئیات کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس آیت یا حدیث سے مستنبط ہے۔ تو اس لئے ایسے مصنفین کی کتابوں میں موضوع حدیث بھی آجاتی ہے۔ ان کی کتابیں نہ معتبر ہوتی ہیں اور نہ ہی ان پر مقلدین خاص کر ہم حنفی دیوبندی کا اعتماد ہوتا ہے۔

۲۔ وہ مصنف جو محدّث بھی ہو، فقیہ بھی ہو تو ان کی کتابوں میں موضوع روایات نہیں آتی ہیں بلکہ وہ کسی نہ کسی معتبر روایت کی روشنی میں مسائل فقہیہ لکھا کرتے ہیں تو ان کی کتابوں اور مسائل پر پورا پورا اعتماد ہوا کرتا ہے۔ اور جہاں سے غیر مقلدین نے اعتراض نمبر ۹ نوٹ کیا ہے خود وہاں پر صاحب عین الہدایہ کی عبارت اس طرح موجود ہے کہ ہاں اگر مصنف

محدث ہو، ثقہ ہو تو اعتماد ہو سکتا ہے۔ غیر مقلدین یاد رکھیں کہ حنفیہ معتبر کتابوں پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔ غیر معتبر کتابوں پر حنفیہ کا اعتماد نہیں ہے۔ اسلئے صاحب عمدۃ الرعایہ نے یہ بات تنبیہ کرنے کے لئے لکھی ہے۔ تاکہ غیر معتبر کتابیں نہ دیکھیں۔ اور مذکورہ اعتراض میں غیر مقلد نے ایک بات میں سے اپنے مطلب کا حصہ منتخب کرکے نقل کر دیا اور مطلب کے خلاف حصہ کو چھوڑ دیا۔ یہ کتنی بڑی خیانت کی بات ہے۔ اللہ ان کی ان باتوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

حدیث قولِ امام پر مقدم

اعتراض ۱۰ "حدیث امام کے قول پر مقدم ہے۔" (بحوالہ ہدایہ ۱/۲۹۱)

غیر مقلدین نے اس اعتراض کو ہدایہ کی طرف منسوب کرنے میں بہت بڑی خیانت کی ہے۔ اس لئے کہ ہدایہ کے متن یا ترجمہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں البتہ صاحب عین الہدایہ نے ترجمہ سے ہٹ کر ملا علی قاری کی ایک بات نقل فرمائی ہے وہ پوری بات اس طرح ہے تشہد کی حالت میں انگلیوں سے اشارہ کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انگلیوں کا اشارہ مستحب ہے۔ اور اگر حدیث سے اشارہ کرنا ثابت ہوتا۔ اور امام صاحب سے اشارہ نہ کرنا ثابت ہوتا تو حدیث قولِ امام پر مقدم ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کا قول حدیث کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ اب یہاں سے غیر مقلدین نے کتنا بڑا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے ناظرین اندازہ لگائیں

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِی کا مطلب

اب اصل بات سنئے کہ ائمہ مجتہدین جن میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سب شامل ہیں، یہ تمام ائمہ مجتہدین حدیث

صحیح کے خلاف اپنی رائے کو ترجیح نہیں دیتے، بلکہ ان حضرات کے استنباط کردہ مسائل کسی نہ کسی حدیث شریف یا قرآنی آیت کی روشنی میں ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان ائمہ میں سے کسی امام کے مسئلہ کے مطابق ہمیں کوئی نص نظر نہیں آرہی ہے۔ تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ اس مسئلہ کے مطابق قرآن یا حدیث میں کوئی نص نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہماری نظر کی کوتاہی ہے۔ ہاں البتہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ مثلاً روایات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ کسی نے کسی روایت سے استدلال کیا اور کسی نے اس کے مقابل دوسری روایت سے استدلال کیا۔ اور ہر ایک کی نظر میں اپنی اپنی مستدل روایت کی وجہ ترجیح بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امام اعظمؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں حدیث رسول کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا۔ لہٰذا تم اس سلسلہ میں جستجو کر کے دیکھ لینا، تم کو میرا قول حدیث کے خلاف نہیں ملیگا۔ بالفرض پھر بھی اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث شریف مل جائے تو میرا مسلک وہ نہیں ہے جو پہلے سے تمہارے سامنے ہے۔ بلکہ میرا مسلک وہ ہوگا جو حدیث صحیح کے موافق ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح منسوخ نہ ہو اور دوسری حدیث صحیح اور قرآنی آیت کے مقابل میں نہ ہو۔ اور یہی حنفیہ کا عقیدہ ہے۔ اور یہی حنفیہ کا مسلک بھی ہے۔ اس کے خلاف حنفیہ کا عقیدہ نہیں ہے۔ تو پھر غیر مقلدین اس عبارت کے ذریعہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں۔؟

امام ابوحنیفہؒ کا قول "اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی" کا یہی مطلب ہے۔

(رسم المفتی/۶۶، شامی زکریا ۱/۱۶۷)

امام صاحب نے یہ دعویٰ اور چیلنج اس لئے پیش فرمایا ہے کہ امام صاحب کا ہر مسئلہ آیت یا حدیث کے موافق ہی ہوتا ہے، اس لئے نہیں کہ امام صاحب کا مسئلہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے۔ نیز اگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق جو حدیث شریف مل رہی ہے وہ سند کے اعتبار سے ضعیف نظر آرہی ہے تو ہمارے اور آپ کیلئے ضعیف

ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے لئے ضعیف نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں اور سلسلہ سند میں ضعیف راوی امام ابوحنیفہؒ کے بعد داخل ہوئے اس لئے ضعف کا الزام امام ابوحنیفہؒ پر نہیں آتا۔ بلکہ اس ضعیف راوی کے سند میں داخل ہونے کے بعد جن لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے ان پر آتا ہے۔

تقلید کی ضرورت

تمام امتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ اور مطاع بالذات خداوند تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہے، اور ایک عام مسلمان کیلئے یہ بات کسی طرح دائرہ امکان میں نہیں آسکتی کہ وہ براہِ راست اللہ کے کلام کے اسرار و رموز کو خود سمجھ کر اسکی مرضی معلوم کر کے اسکے مطابق عمل کر سکے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ایک عام مسلمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال پر عبور حاصل کر کے معارض روایتوں کے درمیان تطبیق دیکر راجح اور مرجوح یا ناسخ اور منسوخ کو سمجھ کر حکم الٰہی کا علم حاصل کر سکے۔ بلکہ یہ کام امتِ مسلمہ کے ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ عابدین ہی کر سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران آیت ۷ میں جو فرمایا ہے۔ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ اس آیت کریمہ کے اندر وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ سے یہی ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ ربانیین مراد ہیں۔ اور یہی فقہاء قرآن و حدیث کے تمام نزاکتوں اور اسمیں ظاہری تعارض

اورآیتوں اوراحادیث کے درمیان تعارض کے حقائق کو سمجھ سکتے ہیں۔ اوران ائمہ مجتہدین کے علاوہ یہ کام کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسلئے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن وحدیث پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کیلئے ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کی تقلید کریں۔ اسی طرح جو علماء امت علم وفضل میں درجۂ اجتہاد کو نہیں پہونچے ہیں اُن کیلئے بھی یہ بات ضروری ہے کہ قرآن و سنّت پر صحیح طور پر عمل کرنے کیلئے ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کی تقلید اور اتباع کریں۔

اسی وجہ سے امّت کے بڑے بڑے علماء اور محدثین نے جو درجۂ اجتہاد کو نہیں پہونچے ہیں ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید فرمائی ہے ______ حضرت امام ابو یوسف ______ امام محمدؒ، امام طحاویؒ، امام شمس الائمہ الحلوانی، امام فخر الاسلام بزدویؒ، امام ابوالحسن کرخیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو دیکھئے کتنے بڑے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے اللہ اور رسول کی صحیح اتباع اور شریعت کے احکام پر صحیح طور پر عمل کیلئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید فرمائی ہے اور اسی کے پابند رہے۔

حضرت امام ترمذیؒ کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ اور صاحب کمال تھے۔ لاکھوں حدیثیں یاد تھیں۔ اور ترمذی شریف جو مشہور ترین حدیث کی کتاب ہے انہی کی تصنیف ہے۔ مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے شریعت پر صحیح طور پر عمل کیلئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام نوویؒ شارح مُسلم کو دیکھئے۔ کتنے بڑے بڑے محدث تھے۔ فن رجال پر کافی عبور تھا۔ مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے امام شافعیؒ کی تقلید فرمائی ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤدؒ کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ ابوداؤد شریف انہی کی تصنیف ہے۔ امام نسائی کو دیکھئے کتنے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ نسائی شریف انہی کی تصنیف ہے مگر درجۂ اجتہاد کو نہ پہونچنے کی وجہ سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید فرمائی ہے۔

حافظ الدنیا ابن عبدالبرؒ مالکی کو دیکھئے کتنے بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ مگر درجۂ اجتہاد کو

نہ پہونچنے کی وجہ سے حضرت امام مالکؒ کی تقلید فرمائی ہے۔

جب اتنے بڑے بڑے فقہاء اور محدثین جن کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں جنہوں نے حدیث کی ایسی بڑی بڑی کتابیں لکھ ڈالیں ہیں کہ جن کی کتابوں کو پڑھے بغیر آجکل کوئی مستند عالم نہیں بن سکتا تو ایسے بڑے بڑے محدثین نے شریعت پر صحیح طور پر عمل کیلئے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید فرمائی ہے۔

تو اب وہ کونسا شخص ہے جو اپنے آپ کو تقلید سے بالاتر ثابت کرکے۔ اور جو اس بات کا دعویٰ کرے کہ ہمیں تقلید کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہم قرآن وحدیث پر براہِ راست عمل کرسکتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ کیا تمہیں امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام طحاوی اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ جبکہ انہوں نے لاکھوں حدیثیں یاد ہونے کے باوجود تقلید فرمائی ہے۔ تو تمہیں تو ہزار پانچسو حدیثیں بھی یاد نہیں تو تم خود بتلاؤ کہ تمہارا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والوں پر طرح طرح کے طعن وتشنیع کرتے ہو، اور بے پڑھے لکھے خالی الذہن مسلمانوں کو اُردو کی کتابوں سے اپنے مطلب کی عبارتیں دکھا دکھا کر بلا وجہ شکوک وشبہات میں ڈالتے ہو۔ کیا یہی تمہاری دینی دعوت ہے۔ کیا یہی تمہاری عبادت ہے؟ اللہ پاک تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

حدیث میں تقلید کا ثبوت

یہاں لگے ہاتھ تقلید کے ثبوت پر دو حدیثیں اور پھر علماء امت کی چند تحریرات تقلید کی ضرورت کے بارے میں پیش کر دیتے ہیں، شاید اللہ کے کسی بندے کو فائدہ پہنچ جائے۔

حدیث ۱ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت

حذیفہؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میرے بعد تم ان دونوں کی اقتداء کرنا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے۔

عن حذیفۃؓ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلوسا فقال انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابی بکر وعمر وتمسکوا بعهد عمار وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ۔ (مسند امام احمد بن حنبل ۵ / ۳۸۵ ، ۳۹۹/۵ ، ترمذی شریف ۲/ ۲۰۷)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے پھر حضورؐ نے فرمایا کہ پتہ نہیں کہ تمہارے درمیان میرا رہنا کتنے دن باقی ہے۔ لہٰذا میرے بعد تم ان لوگوں کی اقتدار کرو۔ یہ کہہ کر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ عمار بن یاسرؓ کے عہد کو مضبوطی سے پکڑو۔ عہد و پیمان انہیں کی طرح کرو۔ اور فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بھی بات بیان کریں اسکی ضرور تصدیق کرو۔

حدیث ۲۷

وعن علیؓ قال قلت یارسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امرٌ ولا نہیٌ فما تامرنی قال شاوروا فیہ الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ۲/ ۳۶۸ - ورجالہٗ موثقون من اهل الصحیح۔ مجمع الزوائد ۱/ ۱۷۸-

حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر ہم میں کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن وسنت میں نہ کرنے کا حکم واضح ہے اور نہ ہی کرنیکا تو اس بارے میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس میں فقہاء مجتہدین اور علماء ربانیین کے مشورہ پر عمل کرو۔ اور اپنی سمجھ اور اپنی رائے اس میں نہ چلایا کرو۔

تقلید کے جواز پر علماء امت کا اتفاق

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں۔

ان العامی یجب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث لانہٗ امر بالرّد اِلی الرّسُول والیٰ اُولی الامر۔ (تفسیر فخر الرازی ۱۰/۲۰۰)

بے شک عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ مجتہد فی المسائل میں علماء و فقہاء کی تقلید کرے اسلئے کہ عامی کو اپنے معاملات کے بارہ میں رسُول اور اُولی الامر و علماء کی جانب رجوع کا حکم کیا گیا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی اندلسی جامع بیان العلم وفضلہ میں نقل فرماتے ہیں:

ولم تختلف العلماء ان العامة علیها تقلید علمائها انهم المرادون بقول الله عز وجلّ: فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۱۵ بیروتی۔)

علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عامۃ المسلمین پر اپنے زمانہ کے فقہاء و علماءِ راسخین کی تقلید لازم ہے۔

اور اللہ کے اس ارشاد میں علماءِ راسخین ہی مراد ہیں۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (سورۂ نحل آیت ۴۳)

اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں نقل فرماتے ہیں:

ان ھٰذہ المذاھب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعتِ الامّة اومن یعتد به منها علیٰ جواز تقلیدها الیٰ یومنا ھٰذا، وفی ذٰلک من المصالح ما لا یخفی لاسیما فی ھٰذہ الایام التی قصرت فیها الھمم جدًّا واشربت النفوس الھویٰ، واعجب کل ذی رأی برأیه۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۴)

ان چاروں مدوّن و جمع شدہ مذاہب کی تقلید کے جواز پر آج تک امت کے قابلِ اعتماد افراد کا اجماع رہا ہے۔ اور اس تقلید میں ایسی مصالح ہیں جو مخفی نہیں ہیں بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ ہمتیں بہت زیادہ کوتاہ ہوگئیں ہیں اور طبیعتوں میں خواہشات جاگزیں ہوگئیں ہیں۔ اور ہر شخص اپنی رائے کو اچھی سمجھتا ہے۔ اسی لئے تقلید لازم ہے۔

وفی شرح جمع الجوامع للمحلیؒ والاصح انهٗ یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ رتبة الاجتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین۔ (خلاصۃ التحقیق ص۳)

اور محلی کی جمع الجوامع کی شرح میں ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ عامی اور غیر عامی جو مرتبہ اجتہاد تک نہ پہنچے ہوں، ان کیلئے مجتہدین کے مذاہب میں سے معین و مخصوص مذہب کو لازم پکڑنا واجب اور ضروری ہے۔

اہلِ حدیث اور احناف کا اتفاق

(اعتراض ۱۱) " اہلحدیث اور احناف میں اتفاق باہم ہونا چاہیے" (یقیناً)
(بحوالہ ہدایہ ۱/۳۱۰)

حوالہ اور عبارت دونوں غلط ہیں ہدایہ کی کسی عبارت میں یہ بات نہیں ہے۔ ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ غیر مقلدین نے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین پر یہ الزام لگا رکھا ہے کہ یہ لوگ احادیثِ رسولؐ کو کوئی وزن نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنی رائے اور قیاس کو مقدم کرکے اسی سے کام لیتے ہیں یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور احناف پر غلط الزام ہے۔ اسلئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین حدیثِ رسولؐ کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ اگر حدیثِ متکلم فیہ بھی ہو تب بھی حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور قیاس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اسی وجہ سے غیر مقلدین نے امام ابوحنیفہؒ اور انکے متبعین پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ بات واضح ہو کہ ضعیف حدیث سے فضائل میں استدلال کرتے ہیں اور احکام میں ضعیف سے استدلال نہیں کرتے اگر ضعیف ہے تو ہمارے لئے ضعیف ہے۔ امام صاحبؒ کیلئے نہیں۔ کیونکہ امام صاحب تابعی ہیں۔ اور سلسلۂ سند میں ضعیف راوی امام صاحب کے بعد داخل ہوا ہے۔

اہلِ قرآن، اہلِ حدیث، اہلِ سُنّت والجماعۃ

اعتراض ۱۲ حضرت امام اعظمؒ جب بغداد میں وارد ہوئے تو ایک اہلِ حدیث نے سوال کیا کہ رطب (پکی کھجور) کی بیع تمر (سوکھی کھجور) سے جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا اہلِ حدیث کا وجود امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں ثابت ہوا۔ (بحوالہ درمختار ۳/۱۲، مقدمہ ہدایہ ۱/۵۹)

دینِ اسلام کے مُسلّمہ اصول

اعتراض کا جواب دینے سے قبل ایک تمہید ناظرین کیلئے فائدہ سے خالی نہیں ہوگی. تمہید یہ ہے کہ اصول تین ہیں. ① اصولِ کلام ② اصولِ دین ③ اصولِ شرع۔

۱۔ اصولِ کلام وہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید وصفات سے متعلق گفتگو کیجاتی ہے۔ ۲۔ اصولِ دین جسکو اصولِ اسلام بھی کہتے ہیں وہ چیزیں ہیں جن میں کفار و فساق کیلئے عذابِ قبر اور نیک وصالحین کیلئے قبر کے اندر نعمتوں اور قیامت کے بعد سب کے اٹھائے جانے سے متعلق اور حساب وکتاب نیز وزنِ اعمال اور جنت کی نعمتیں اور جہنم کے عذاب وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا ذکر عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔

۳۔ اصولِ شرع وہ ہیں جس سے شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں. پھر اصولِ شرع تین ہیں۔

① کتاب اللہ ② حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ③ اجماعِ صحابہ۔

اجماع کی حُجیّت

اجماع کی تھوڑی سی وضاحت یہ ہے کہ جس بات پر تمام صحابہ نے بلا اختلاف اتفاق کرلیا ہے، اور کسی نے بھی نکیر نہیں کی، اور پھر اس کے بعد پورے دَورِ صحابہ اور دَورِ تابعین سے اس پر عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہوچکا ہو تو اسے اجماعِ صحابہ کہتے ہیں. جیسا کہ بیس رکعت تراویح کا مسئلہ۔ اس مسئلہ پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اجماع ہوچکا تھا۔ اور پھر باتفاقِ جمیع صحابہ عمل کا سلسلہ جاری ہوچکا ہے۔ کسی نے اس پر عملاً یا قولاً نکیر نہیں فرمائی، پھر امت کا سوادِ اعظم اہل سنت والجماعۃ جن میں ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین ہیں ان میں یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے. اور انشاءاللہ

تا قیامت جاری رہیگا۔

اسی طرح جمعہ کی اذان اوّل کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جمیع صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا کہ یہ اذان پہلے نہیں تھی لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ضرورت کیوجہ سے اسکا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ اور تمام صحابہ نے اس عمل کے اُوپر بلا اختلاف اتفاق کر لیا ہے۔ پھر اس کے بعد امت کے سوادِ اعظم میں اس اذان پر عمل کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہو گیا۔

اسی طرح اجماعِ امت کی حجیت آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس حدیثِ صحیح سے ثابت ہوتی ہے کہ تم اختلاف کے زمانہ میں میری سنّت اور ان خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑ لیا کرو۔ جو ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ یہ دونوں خلفاءِ راشدین میں سے ہیں انکی جاری کردہ ان سنتوں کی حجیت آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتی ہے۔

فانہ من یعیش منکم یریٰ اختلافاً کثیراً وایاکم ومحدثات الامور فانہا ضلالۃ فمن ادرك ذلك منکم فعلیہ بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضّوا علیہا بالنواجذ ھذا حدیث حسن صحیح۔ (المستدرک للحاکم ۱/۱۷۷) (ترمذی شریف ص۹۶)

بے شک تم میں جو لوگ زندہ رہیں گے بہت سے اختلاف دیکھیں گے تم اپنے آپ کو امورِ شرعیہ کی بدعت سے بچاؤ اسلئے کہ وہ گمراہی ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو اختلاف کا زمانہ پائے اس پر لازم ہے میری سنت اور ان خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑ لینا جن کی اتباع ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہے انکو اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔

قیاس کی حُجیت

اس کے بعد اصول کی ایک چوتھی قسم ہے جسکو قیاس کہتے ہیں جو کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماعِ صحابہ کے دائرہ میں گھومتا ہوا انہیں اصولوں کی روشنی میں مجتہد کے اجتہاد کے ذریعے سے مستنبط ہوتا ہے۔ اور یہ اصول کی مستقل قسم نہیں ہوتی بلکہ مذکورہ تینوں قسموں میں کوئی مسئلہ

نہ ملنے کی صورت میں یا کسی مسئلے سے متعلق روایات کے درمیان تعارض ہونیکی صورت میں مذکورہ تینوں اصولوں میں سے کسی ایک اصول کی روشنی میں اجتہاد کر کے مسئلہ کا استنباط کرنے یا متعارض روایات کے درمیان غور کر کے کسی ایک کو ترجیح دیکر مسئلہ کا استنباط کیا جائے۔ اسی کو قیاس کہتے ہیں۔ اور ائمہ مجتہدین کے اس قیاس کے ثبوت پر ہم آپ کے سامنے دو حدیثیں پیش کر رہے ہیں۔

حدیث ۱۔ عن معاذ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاذ بن جبل حین بعثہ الی الیمن فذکر کیف تقضی ان عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم یکن فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم یکن فی سنۃ رسول اللہ قال اجتہد رایی ولا آلو قال فضرب صدری فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسولہ الحدیث مسند احمد ۵/۲۳۲، ترمذی ۱/۲۴۷، ابوداؤد ۲/۵۰۵)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کو بھیجتے وقت فرمایا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی معاملہ پیش آجائے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ تو فرمایا کتاب اللہ کے ذریعہ سے۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں مسئلہ نہ ملے تو کیا کرو گے۔ تو فرمایا اللہ کے رسولؐ کی سنت کے ذریعے سے فیصلہ کرونگا۔ تو آپؐ نے فرمایا اگر سنتِ رسول اللہ میں مسئلہ نہ ملے تو کیا کرو گے تو فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ اور میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ تو حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے خوش ہوکر میرے سینہ پر مار کر فرمایا ہر تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اللہ کے رسولؐ کے فرستادہ کو اسکے رسولؐ کی مرضی کے مطابق عمل کی توفیق نصیب فرمائی۔

حدیث ۲۔ وعن علی قال قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نہی فما تامرنی قال شاوروا فیہ الفقہاء و العابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ۲/۳۶۸۔ و رجالہ موثقون من اھل الصحیح۔ مجمع الزوائد ۱/۱۷۸۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سوال کیا کہ اگر ہم میں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں قرآن وسنت میں نہ کرنیکا حکم واضح ہے اور نہ ہی نہ کرنے کا حکم تو اس بارے میں آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس میں فقہاء مجتہدین اور علماء ربانیین کے مشورہ پر عمل کرو اور اپنی سمجھ اور اپنی رائے اسمیں نہ چلایا کرو۔

دورِ حاضر کے اہلِ قرآن

اہلِ قرآن موجودہ زمانہ میں اس گمراہ فرقہ کو کہا جاتا ہے جو اصولِ شرع میں سے صرف قرآن کو مانتا ہے، حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ صحابہ کو کوئی مقام نہیں دیتا بلکہ ان کا انکار کرتا ہے۔ اور اہلِ قرآن کا لفظ اس گمراہ فرقہ نے خود اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ حالانکہ اہلِ قرآن کا لفظ حضورؐ نے امت کی اس جماعت کیلئے استعمال فرمایا ہے جو ان مذکورہ تینوں اصولوں کو حجت مانتی ہے۔ اور موجودہ زمانہ کا یہ گمراہ فرقہ جو اپنے کو اہلِ قرآن کہتا ہے پوری امت اس کو اسلام سے خارج جانتی ہے۔ اس کے لئے مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

دورِ حاضر کے اہلِ حدیث

موجودہ زمانہ میں اہلِ حدیث سے وہ غیر مقلدین مراد ہوتے ہیں جو اصولِ شرع کی تینوں قسموں میں سے صرف پہلی دو قسموں کو حجت مانتے ہیں یعنی کتاب اللہ، حدیثِ رسولؐ اور یہ لوگ اجماعِ صحابہ کو حجت نہیں مانتے۔ ہاں البتہ جہاں ان کا اپنا مطلب آپڑتا ہے تو مان بھی لیتے ہیں جیسا کہ نماز میں صفوں میں کھڑے ہونے کے بارے میں قدم سے قدم ملانے کی بات حضورؐ کے قول میں نہیں ہے، بلکہ صحابہ کا عمل ہے۔ اس پر یہ لوگ بضد رہتے ہیں۔ اور جہاں اپنا مطلب نہیں پڑتا وہاں نہیں مانتے جیسا کہ بیس رکعت تراویح کا مسئلہ ہے۔ گویا کہ ان کا نفس ہی ان کا امام اور ان کی شریعت ہے۔ اسلئے اس جماعت کو بھی اگر گمراہ اور فاسق ہے۔ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

ہندوستانی سلفی

سلف کا لفظ حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے لئے بولا جاتا ہے

ان کا زمانہ بھی خیر القرون کا ہے۔ اور ان کا اجماع اور قرآن وحدیث سے مستنبط کردہ مسائل امت کے لئے حجت شرعیہ ہے۔ ان کو ماننے والے ہی درحقیقت سلفی اور اہل سنت والجماعۃ ہیں۔ لیکن اب موجودہ زمانہ میں ان غیر مقلدین کو ہندوستانی سلفی کہتے ہیں جو خیر القرون کے اساطین امت اور سلف صالحین کے اجماع اور قرآن وحدیث کے مستنبط مسائل کو نہیں مانتے ہیں اور خلفائے راشدین اور فقہاء صحابہ کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرلیتے ہیں اور عرب دنیا کو دھوکہ دینے اور ان کو دکھانے کے لئے اپنے آپ کو سلفی کہنے لگے۔

حالانکہ نہ وہ سلفی ہیں اور نہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ بلکہ سلفی اور اہل سنت والجماعت تو وہی لوگ ہیں جو سلف صالحین اور صحابہ کرام کے تابع ہیں۔ الحمد للہ ہم مقلدین ہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ خاصکر احناف جو ائمہ مجتہدین۔ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہونے کے ساتھ ساتھ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کو برحق ماننے والے ہیں، نہ کہ یہ غیر مقلدین۔

اہلِ سُنّت والجماعت

یہ وہ جماعت ہے جو کتاب اللہ اور حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ صحابہؓ کو حجت مانتی ہے۔ یہی وہ اہل سنت والجماعت ہیں جن کے لئے حضورؐ نے ناجی ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حدیث صحیح میں ملاحظہ فرمایئے۔

وتفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ۔ (الحدیث) کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی ـــــ اس کے بعد امام ترمذیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح (ترمذی شریف ۹۲/۲) اور ایک دوسری حدیث شریف میں اس کا بھی اضافہ ہے کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ (رواہ الحاکم فی المستدرک بسند جید ۱/۱۱۸، ترمذی شریف ۹۳/۲) یعنی ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ یعنی ائمہ اربعہ کے ماننے والا فرقہ جنتی ہوگا۔ اور یہی امت کا سوادِ اعظم ہے اور اسی کو اہل سنت الجماعت

کہتے ہیں ہمارے ہندوستان میں بریلوی مکتب فکر کے لوگوں نے اپنے آپ کو اہل سنت ہونے کی شہرت دے رکھی ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ غیر شرعی رسومات کے ساتھ یہ فرقہ ممتاز ہے۔ اس لئے ان کا اپنے آپ کو اہل سنت کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مقلدین اپنے آپ کو اہل حدیث یا سلفی کہتے ہیں۔ اور منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔

امت کا سوادِ اعظم ہی اہلِ سنت والجماعت

امت کا سوادِ اعظم ہی اہل سنت والجماعت ہے۔ اور دور اوّل سے اب تک امت کا سوادِ اعظم حضرات ائمہ اربعہ کے متبعین ہی کو سمجھا گیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ کے متبعین کے علاوہ دُنیا کے اندر مختلف فرقے جو آئے ہیں ان میں سے کسی کو اہل حق نہیں سمجھا گیا ہے۔ وہ سب کے سب طائفہ زائغہ ہیں۔ ایسے فرقے آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں، جن کے اُوپر کبھی سوادِ اعظم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور سوادِ اعظم کا اطلاق صرف ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین پر ہی ہو سکتا ہے۔ اسلئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی اتباع میں ہی نجات ہو سکتی ہے۔ جو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے۔

اب میں اس بات کے ثبوت کے لئے چند روایات ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں، شاید کسی اللہ کے بندے کو فائدہ پہونچ جائے۔

① عن ابن عمرؓ قال: قال رسُولُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یجمع ھٰذہ الامۃ علی الضلالۃ ابدا ویدُ اللہ علی الجماعۃ فاتبعوا السّواد الاعظم فانّہ مَنْ شذّ	حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کریگا۔ اور فرمایا اللہ کی مدد جماعت پر ہوتی ہے۔ لہٰذا تم امت کے سوادِ اعظم یعنی بڑی جماعت کا اتباع

شُذَّ فِي النَّارِ۔

(المستدرک للحاکم ۱/۲۰۰ حدیث ۳۹۱)

کرو۔ اور جو اس سے الگ رہیگا اسے الگ کرکے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔

(۲) عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجمع الله هٰذه الامة- او قال أمتي على الضلالة ابدًا واتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شُذَّ في النار۔

(المستدرک للحاکم ۱/۲۰۱ حدیث ۳۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو یا یہ فرمایا کہ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کریگا۔ اور تم سب سے بڑی جماعت (سواد اعظم) کا اتباع کرو۔ جو اس سے الگ ہوگا اُسے الگ کرکے جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔

(۳) حدثنا معتمر بن سليمان قال: قال ابو سفيان سليمان بن سفيان المدني عن عمرو بن دينار عن ابن عمر ان نبي الله صلى الله عليه وسلم قال لا يجمع الله امتي على ضلالة ابدا ويد الله على الجماعة هكذا فاتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شُذَّ في النار۔

(المستدرک للحاکم ۱/۲۰۱ حدیث ۳۹۰)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آقائے نامدار علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائیگا، اور اللہ کی مدد ایسی ہی جماعت پر آتی ہے۔ لہٰذا تم امت کے سواد اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرو۔ جو اس سے الگ ہوگا اُسے الگ کرکے جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔

یہ سب روایات مستدرک حاکم میں سند جید کے ساتھ موجود ہیں۔ اور انکی متابعت میں مزید کئی روایات مستدرک میں موجود ہیں۔ ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ سوادِ اعظم کی اتباع لازم ہے۔ اور سوادِ اعظم کون ہے؟ اس بارے میں امت کا اتفاق اس بات پر ہوچکا ہے کہ سوادِ اعظم کا مصداق ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین ہی ہیں۔

④ عن انس بن مالکٍ یقول سمعتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِنَّ امتی لا تجتمع علی ضلالۃ فاذا رأیتُمُ اختلافاً فعلیکم بالسّوادِ الاعظم۔

(ابن ماجہ شریف / ۲۸۳)

حضرت انس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت ضلالت وگمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو اپنے آپ کو سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کے ساتھ لازم کرلو۔

⑤ قال ابو اُمامۃَ الباھلی علیکم بالسّوادِ الاعظم۔

(مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۷۵ و ۲۷۸)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوادِ اعظم کو لازم پکڑلو۔

ابن ماجہ کی روایت کو اگرچہ کمزور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن مستدرک حاکم کی متعدد روایات اس کی مؤید ہیں۔ اور مستدرک حاکم میں مسلسل دس۱۰ روایات اس موضوع سے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ اور انہیں سے ہم نے تین روایات آپ کے سامنے پیش کردی ہیں۔ اور وہ روایات ایسی ضعیف نہیں ہیں جو قابلِ استدلال نہوں، بلکہ وہ تمام روایات قابلِ استدلال ہیں نیز مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو امامۂ باہلی کا اثر ہے کہ سوادِ اعظم کو لازم پکڑو۔ اسلئے تمام امت پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا اتباع کرے۔ اور چاروں اماموں کے متبعین ہی درحقیقت اہلِ سنت ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی روایات سے واضح ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی اتباع نہیں کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے آپکے اہلِ سنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو انکا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اور حنفی مسلک میں بھی اگر دیکھا جائے تو سوادِ اعظم کا اطلاق دیوبندی مکتبِ فکر پر ہی ہوسکتا ہے۔ اسلئے کہ انہی میں علماء صلحاء مشائخ کثیر تعداد میں پیدا ہوئے ہیں۔ جن کے کارنامے امت نے دیکھ لئے ہیں۔ اور دنیا بھر میں اسی مکتبِ فکر کے حنفی لوگ زیادہ ہیں، اسلئے حنفیہ میں سے اسی مکتبِ فکر کے لوگ اہلِ سنت والجماعت کے دائرہ میں داخل ہیں۔

خیر القرون کے اہلِ قرآن و اہلِ حدیث

ماقبل میں موجودہ زمانے کے اہلِ قرآن و اہلِ حدیث کس کو کہتے ہیں اس کی وضاحت آپ کے سامنے آچکی، لیکن ساتھ میں یہ بات بھی معلوم ہو جانی چاہیے کہ خیر القرون میں اہلِ قرآن و اہلِ حدیث کس کو کہا جاتا تھا۔

خیر القرون یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اہلِ قرآن اُن پکے سچے مؤمنین کو کہا جاتا تھا جنہوں نے رات و دن قرآنِ کریم کی تلاوت کو اوڑھنے بچھونے کی طرح مشغلہ بنا رکھا تھا۔ اور پوری رات نوافل میں گزار دیتے تھے۔ اور اخیر شب میں وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایسے عبادت گزار رات و دن تلاوت کرنے والے مسلمانوں کو اخیر شب میں وتر پڑھنے کیلئے یا اھل القرآن کے لفظ کے ساتھ یاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ (ترمذی شریف ۱۰۳/۱) اب اگر اس زمانہ کے گمراہ ترین اہلِ قرآن یہ کہنے لگیں کہ حدیث میں اہلِ قرآن سے ہم ہی لوگ مراد ہیں تو جھوٹے اور کذاب ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ خود حدیثِ پاک کے منکر ہیں اور اہلِ قرآن کا لفظ حدیثِ پاک ہی میں موجود ہے۔

اور موجودہ زمانہ میں اہلِ حدیث کس کو کہتے ہیں اس کی وضاحت بھی ماقبل میں آچکی لیکن خیر القرون میں اہلِ حدیث کسے کہا جاتا تھا یہ بات بھی کھل کر سامنے آجانی چاہیے۔ حضراتِ صحابہ و تابعین اور تبعِ تابعین و ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں اہلِ حدیث اُن محدثین کو کہا جاتا تھا جن کا شمار ائمہ جرح و تعدیل میں سے تھا۔ اور لاکھوں حدیثیں سند و رجال کے حالات کے ساتھ ان کو یاد تھیں۔ جیسا کہ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ و احمد بن حنبل، علی ابن المدینی، شعبہ ابن حجاج، عبد اللہ بن المبارک وغیرہ ہیں۔ جن کو امام ترمذی وغیرہ نے جگہ جگہ بعض اہل الحدیث کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے امام ترمذی کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

وقد ضعفہٗ بعض اھل الحدیث منھم یحییٰ بن سعید القطان واحمد

ابن حنبل ۔ (ترمذی شریف ۱/ ۹۳)

اب غیر مقلدین جو منکرین اجماع صحابہ اور منکرین فقہ ہیں اور اپنے آپ کو اہل حدیث ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں. کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید امام احمد بن حنبل وغیرہ کو جس قدر احادیث شریفہ یاد تھیں. اسی طرح ان غیر مقلدین کو بھی اتنی تعداد میں احادیث یاد ہیں. تاکہ ان کو بھی ہم اہل حدیث کہہ سکیں. ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ غیر مقلدین بھی منکرین حدیث جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں انھیں کیطرح اپنے آپ کو اہل حدیث یا سلفی ہونیکا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں. اب ہم اصل اعتراض کا جواب آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔

اعتراض ۱۲ کا اصل جواب

اعتراض ۱۲:۔ ان الفاظ کیساتھ تھا، امام اعظمؒ جب بغداد وارد ہوئے تو ایک اہل حدیث نے سوال کیا کہ رطب (پکی کھجور) کی بیع تمر (سوکھی کھجور) سے جائز ہے یا نہیں لہٰذا اہل حدیث کا وجود امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ثابت ہوا۔

اس مسئلہ میں ھدایہ و درمختار کا حوالہ صحیح نہیں ہے. ہاں البتہ صاحب نہایۃ الاوطار نے درمختار کا ترجمہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے اسی طرح فتح القدیر اور عنایہ میں اس واقعہ کی جانب اشارہ موجود ہے لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ موجودہ زمانہ کے گمراہ کن اہل حدیث کا وجود امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ثابت ہوا ہو اور صحیح واقعہ یہ ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ بغداد تشریف لے گئے تو ان سے مذکورہ مسئلہ سے متعلق بعض ایسے محدثین نے سوال کیا کہ جن کو احادیث تو خوب یاد تھیں مگر گہرائی میں پہنچکر مسائل کے استنباط کی صلاحیت ان میں نہیں تھی ۔

ایسے محدثین کو اس زمانہ میں اہل حدیث کہا جاتا تھا تو انہوں نے یہ سوال کیا کہ رُطب کی بیع تمر کے عوض میں جائز ہے یا نہیں تو امام صاحبؒ نے ان الفاظ سے فقیہانہ جواب دیا ۔

الرطب اِمّا ان یکون تمرًا اولم یکنْ فان کان تمرًا اجاز العقد علیہ لقولہٖ علیہ السلام: التمرُ بالتمرِ وان لم یکنْ جاز لقولہٖ علیہ السلام فاذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم۔ (فتح القدیر ۶/۱۶۹)

رطب دو حال سے خالی نہیں، یا تو تمر کی طرح ہوگی یا نہیں۔ اگر رطب تمر کی طرح ہے تو عقد جائز ہے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ٭ التمر بالتمر ٭ کی وجہ سے۔ اور اگر تمر کی طرح نہیں ہے تب بھی عقد جائز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ٭ فاذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم ٭ کی وجہ سے، کہ جب دو قسمیں الگ الگ ہوں تو جس طرح چاہو بیچ سکتے ہو۔ تو اس پر اس زمانہ کے بعض محدثین جن میں قوتِ اجتہاد واستنباط نہیں تھی، انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وہ روایت پیش کی جو زید بن عیاش کے طریق سے ثابت ہے، جس میں بیع کی ممانعت ہے۔

دیکھئے ترمذی شریف ۱/۲۲۲۔ تو اس پر امام ابوحنیفہؒ نے زید بن عیاش پر ان الفاظ سے جرح فرمائی۔

هٰذا الحدیث دائرٌ علی زید بن عیاش و زید بن عیاش ممن لایقبل حدیثہ الخ

اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے، اور زید بن عیاش کی حدیث قابلِ اعتبار نہیں

(فتح القدیر ۰/۳۱ مطبع بیروت ۶/۱۶۹ مطبع کوئٹہ)

تو امام ابوحنیفہؒ کی فراست پر اہلِ بغداد کو حیرت ہوئی۔ اور زید بن عیاش پر امام صاحب نے جو کلام فرمایا اس کو ائمہ محدثین نے مستحسن سمجھا۔

واستحسن اهل الحدیث منه هٰذا الطعن۔

(عنایہ مع فتح القدیر بیروتی ۰/۲۸، کوئٹہ ۶/۱۷۰)

یہاں اہلِ حدیث سے اس زمانے کے ایسے قابلِ اعتماد محدثین مراد ہیں جو جرح و تعدیل

کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں، جیسا کہ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ ہیں۔

مگر موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین نے اپنی حماقت سے اہلِ حدیث سے اپنے آپ کو مُراد لیا ہے۔ حالانکہ موجودہ زمانہ کے ان غیر مقلدین کو لاکھوں کی تعداد تو بہت دُور کی بات ہے ہزار پانچسو بھی حدیثیں یاد نہیں ہوں۔ دیکھئے امام ترمذیؒ اہلِ حدیث کسے کہہ رہے ہیں

وقد ضعفه بعض اهل الحديث منهم يحيىٰ بن سعيد القطان و احمد بن حنبل. (ترمذی شریف ۱/۹۳)

امام ترمذیؒ ایک راوی پر کلام کرتے ہوئے امام یحییٰ بن سعید قطانؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کو اہلِ حدیث فرما رہے ہیں۔

لہٰذا اگر لفظ اہلِ حدیث سے موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین اور نام کے سلفی اپنے آپ کو مُراد لے سکتے ہیں تو منکرینِ حدیث جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں وہ ترمذی شریف "باب مَا جَاء ان الوتر ليس بحتم" کے ذیل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے اپنے آپ کو مصداق قرار دے سکتے ہیں: ان الله وتر يحب الوتر فَاَوْتِرُوْا يَا اَهْلَ الْقُراٰن " (ترمذی شریف ۱/۱۰۳) اللہ تعالےٰ وتر اور طاق ہے، اور طاق کو پسند فرماتا ہے اے اہلِ قرآن وتر پڑھا کرو۔ تو اب غیر مقلدین منکرینِ حدیث کو کیا جواب دیں گے۔ اگر غیر مقلدین جو منکرینِ اجماعِ صحابہ اور منکرین فقہ ہیں وہ لفظ اہلِ حدیث سے اپنے آپ کو مراد لے سکتے ہیں تو منکرینِ حدیث لفظ اہلِ قرآن سے اپنے آپ کو مُراد لیں گے۔ تو یہ نام کے سلفی اور نام کے اہلِ حدیث (غیر مقلدین منکرین اجماعِ صحابہ و منکرین فقہ) نام کے اہلِ قرآن (منکرینِ حدیث) کو کیا جواب دیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ حدیث پاک میں اہلِ قرآن سے اہلِ سنت والجماعت مُراد ہیں۔ اور خیر القرون میں اہلِ قرآن و اہلِ حدیث کی اصطلاح

صرف اہلِ سنت والجماعت پر ہی بولی جاتی تھی ۔ نہ اس زمانہ میں موجودہ زمانہ کے منکرینِ حدیث کا وجود تھا جو اپنے کو اہلِ قرآن کہتے ہیں ۔ اور نہ ہی منکرینِ اجماعِ صحابہ ومنکرینِ فقہ کا ۔ جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث اور سلفی کہتے ہیں ۔ بلکہ موجودہ زمانہ کے اہلِ قرآن اور اہلِ حدیث یہ دونوں بہت بعد میں گمراہی کا شکار بنے ہیں ۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آج کے غیر مقلدین (منکرینِ اجماعِ صحابہ ومنکرینِ فقہ) نے حجاز مقدس کے علماء کے سامنے اپنے آپ کو سلفی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ، حالانکہ وہ سلفی نہیں ہے ۔ بلکہ سلفی تو وہی ہیں جو حضرات ائمہ اربعہ اور تابعین وتبع تابعین کے قرآن وحدیث اور اجماعِ صحابہ سے مستنبط کردہ مسائل کو اپنے لئے حجتِ شرعی مانتے ہیں ۔

جھک کر سلام کرنا مکروہ ہے

اعتراض ۱۳: "سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے" (بحوالہ عالمگیری ۴/۳۴۵)

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے، اور یہی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

جب حنفیہ خود اس کے قائل ہیں تو حنفیہ پر اس کے ذریعہ کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں کیا غیر مقلدین جھک کر سلام کو جائز کہتے ہیں۔؟ حنفیہ کے نزدیک تو مکروہ ہے۔ اگر وہ لوگ جائز کہتے ہیں تو حدیث کے خلاف وہ کرتے ہیں حنفیہ نہیں کرتے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن انس بن مالکؓ قال: قال رجل یا رسول اللّٰہ الرجل منا یلقی اخاہ اوصدیقہ اینحنی لہ قال: لا۔ قال افیلتزمہ ویقبلہ قال لا۔ فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم (ترمذی شریف ۲/۱۰۲) وفی حاشیۃ الترمذی المسمی بعرف الشذی و اما الانحناء عند الملاقاۃ فکروہ تحریما کما فی فتاوی الحنفیۃ۔ (ترمذی ۲/۱۰۲)

حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اس کیلئے سر جھکائے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جھکائے گا۔ تو سائل نے پھر سوال کیا۔ ملاقات کے ساتھ اس سے معانقہ کرے اور اس کو بوسہ دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی نہیں۔ کیونکہ خوف فتنہ ہے۔ پھر سوال کیا۔ کیا ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں مصافحہ کرے۔ اور اس کے حاشیہ میں العرف الشذی میں فرمایا کہ ملاقات کے وقت سر جھکانا مکروہ ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کے فتاوی میں ہے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی محنت کر کے دیکھے گا تو امام ابو حنیفہؒ کے ہر مسئلہ کے مطابق کوئی نہ کوئی آیت کریمہ یا کوئی نہ کوئی حدیث شریف ضرور ملے گی۔ مگر یہ غیر مقلدین حضرات صحابہ کرام سے بغض وعناد کی وجہ سے اجماعِ صحابہ کو نہیں مانتے۔ اور حضرات ائمہ مجتہدین سے بغض وعناد کی وجہ سے فقہ کو نہیں مانتے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے

اعتراض ۱۴: مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا اکثر روایات صحاح سے ثابت ہے؟ (بحوالہ ہدایہ ۴/۲۴۳)

یہ الفاظ نہ ہدایہ کے متن میں ہیں نہ حاشیہ میں۔ البتہ مترجم نے اپنی طرف سے ترجمہ کے بعد بطور شرح کے لکھا ہے، اس لئے نہ اس کو صاحب ہدایہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے، اور نہ ہدایہ کے محشی کی طرف۔ البتہ عین الہدایہ کے مصنف نے ترجمہ کے بعد اپنی طرف سے یہ بات لکھی ہے۔ لیکن جہاں انہوں نے یہ بات لکھی ہے وہاں پر یہ بات بھی تحریر فرمائی ہے کہ بعض روایات میں دونوں ہاتھ بھی مروی ہیں۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں کے درمیان میں وسعت ہے۔ اور بنظرِ فضیلت "یعنی گناہ جھڑ جاتے ہیں" لوگوں نے دونوں ہاتھ کو پسند کیا۔ یہ عین الہدایہ کی پوری عبارت ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے کریں یا دونوں ہاتھوں سے .اس سے دونوں طرح کی باتیں احادیث شریفہ سے ثابت ہوئیں .لیکن یہ بات بھی حدیث شریف میں ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ جب ایک ہاتھ سے مصافحہ کرے گا تو ایک ہاتھ کے گناہ جھڑیں گے اور جب دونوں ہاتھ سے کریگا تو دونوں ہاتھوں کے گناہ جھڑیں گے۔ اسی لئے حنفیہ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا افضل کہا ہے۔ اور یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ

سے جائز نہیں ہے بلکہ اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ دونوں ہاتھوں سے کرنے میں گناہ زیادہ جھڑتے ہیں اسلئے دونوں ہاتھوں سے کرنے کو افضل کہا ہے۔ دیکھئے گناہ جھڑنے کی روایت اس طرح کے الفاظ سے مروی ہے۔

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا لقی المؤمن المؤمن فقبض احدھما علی یدصاحبہ تناثرت الخطایا منھما کما تتناثر اوراق الشجر۔ (شعب الایمان ۶/۴۷۲)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤمن دوسرے مؤمن سے ملاقات کرے اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کریں تو دونوں سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کو ہلانے سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

نیز کیا غیر مقلدین عینی الھدایہ کی مذکورہ عبارت سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو ناجائز ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ یا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حنفیہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز کہتے ہیں؟ جب یہ دونوں باتیں عینی الھدایہ کی عبارت سے ثابت نہیں ہیں تو اس اعتراض کا مقصد کیا ہے؟

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی روایات

ایک ہاتھ سے مصافحہ کی روایات آپ کو معلوم ہیں اسلئے ان کو ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اور غیر مقلدین دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو مشروع نہیں سمجھتے اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ اسلئے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی چند روایات ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔

حدیث (۱) حدثنا ابو نعیم قال: حدثنا سیف بن سلیمان قال سمعت مجاھدا یقول حدثنی عبداللہ بن سخبرۃ ابو معمر قال: سمعت ابن مسعود یقول علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکفی

بین کفیه التشهد کما یعلمنی السورة من القرآن التحیات للہ۔

(بخاری شریف ۲/۹۲۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں التحیات سکھائی کہ میری ہتھیلی حضورؐ کی دونوں ہتھیلی کے درمیان میں تھی اور التحیات اس طرح سکھائی جیسا کہ قرآن کریم کی سورتیں سکھایا کرتے تھے۔

حدیث ② عن امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: اذا تصافح المسلمان لم تفرق اکفهما حتی یغفر لهما۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۸/۲۸۱ حدیث ۸۰۷۶ مجمع الزوائد ۸/۳۷)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کریں تو ان دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اثر ③ باب الاخذ بالیدین وصافح حماد بن زید ابن المبارك بیدیه۔

(بخاری شریف ۲/۹۲۶)

ترجمہ: امام بخاریؒ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے باب کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ امام حماد ابن زید نے عبداللہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ملایا ہے۔

حدیث میں لفظ ید دونوں ہاتھوں کیلئے

لفظ ید کا استعمال حدیث پاک میں دونوں ہاتھوں کے لئے کثرت کے ساتھ ہوا ہے اور عربی زبان کے محاورہ میں بھی ید کا لفظ دونوں ہاتھوں کے لئے استعمال ہونا کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ چونکہ ہم کو یہاں پر لمبی بحث نہیں کرنا ہے اس لئے بطور صرف ایک ایسی حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس میں لفظ ید دونوں ہاتھوں کے لئے قطعی طور پر استعمال ہوا ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس میں لفظ ید سے ایک ہاتھ مراد لینے کا احتمال بھی باقی نہیں ہے۔ بلکہ دونوں ہاتھ مراد ہونے پر پورے

امت کا اتفاق ہے۔ حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ پھر ان دونوں کتابوں میں سے اس کتاب کے بارہمیں فرمایا جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایسی کتاب ہے جسمیں اہل جنت کے نام اور ان کے باپ دادا اور ان کے قبائل کے نام ہیں اور پھر سب کے نام بنام ٹوٹل لگا کر جوڑ لیا گیا ہے۔ نہ ان میں زیادہ کیا جائے گا اور نہ انہیں سے کبھی کم کیا جائیگا۔ اس کے بعد اس کتاب کے بارہمیں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔ کہ یہ رب العالمین کیطرف سے ایسی کتاب ہے جسمیں اہل جہنم اور ان کے باپ دادا اور انکے قبائل کے نام موجود ہیں۔ اور پھر ان میں کبھی کمی نہیں کیجائے گی۔ اس حدیث شریف میں لفظ ید کا استعمال قطعی طور پر دونوں ہاتھوں کیلئے ہوا ہے۔ اب حدیث شریف کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی یدہ کتابان فقال اتدرون ما ھذان الکتابان فقلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا فقال للذی فی یدہ الیمنی ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اَھْلِ الجنّۃ واَسماء اٰبائھم و قبائلھم ثم اجمل علی اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدًا ثم قال للذی فی شمالہ ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اَھْلِ النّار واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علی اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابدًا۔ (ھذا حدیث حسن صحیح غریب ترمذی ۲/۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ دونوں کتابیں کیسی ہیں۔ تو ہم نے کہا نہیں یا رسول اللہ مگر یہ کہ آپ ہم کو بتلادیں۔ پھر آپ نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایسی کتاب ہے جس میں اہل جنت، ان کے باپ دادا اور ان کے قبائل کے نام ہیں، اور پھر سب کا حساب آخر تک جوڑ کر رکھ لیا گیا ہے۔ ان میں پھر کبھی کمی زیادتی نہیں ہوگی۔ پھر اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں

تھی کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایسی کتاب ہے جس میں اہل جہنم اور انکے باپ دادا اور انکے قبائل کے نام ہیں اور پھر آخر تک حساب لگا کر جوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان میں کبھی کمی زیادتی نہیں ہوگی۔

اس حدیث شریف میں "وفی یدہ کتابان" میں لفظ یَد دونوں ہاتھوں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اگر مسئلہ مصافحہ میں جہاں جہاں یَد کا لفظ آیا ہے تو وہاں پر دونوں ہاتھ مُراد لیا جائے تو کیا اشکال ہے؟ نیز مصافحہ کرنے سے ہاتھوں سے گناہ جھڑتے ہیں۔ جیسا کہ ماقبل میں حضرت حذیفہؓ کی روایت سے واضح ہوا ہے۔ اور جب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائیگا تو دونوں ہاتھوں سے گناہ جھڑیں گے۔ اس لئے حنفیہ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو افضل کہا ہے۔ جو اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔ مگر غیر مقلدین حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بغض وعناد کی وجہ سے اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں میں اتفاق عطا فرمائے اور تفریق بین المسلمین کا یہ سلسلہ ختم کر دے۔

بخاری شریف میں ایک دوسری روایت ہے جس میں لفظ یَد کو دونوں ہاتھوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس میں یَد کا لفظ ایک ہاتھ کے لئے احتمال ہی نہیں رکھتا ہے۔ ہر عربی داں یَد کے لفظ سے دونوں ہاتھ مراد لینے پر مجبور ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابی ھُرَیرۃ انّ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا استیقظ اَحَدُکم مِن نومِہٖ فلیغسِل یَدَہٗ قبل ان ید خلھا فی وضوئہٖ فانّ اَحَدَکم لایَدری اینَ باتت یَدُہٗ۔ الحدیث۔ (بخاری شریف ۱/۲۸ حدیث نمبر ۱۶۲، ترمذی ۱/۱۳، مسلم شریف ۱/۱۳۶)	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو جائے تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو ضرور دھولے۔ اسلئے کہ تم میں سے کسی کو یہ پتہ نہیں ہے کہ اس کے دونوں ہاتھوں نے کہاں رات گذاری۔

اس حدیث شریف کے اندر لفظ یَد سے دونوں ہاتھوں کو مُراد لیا گیا ہے۔ اور دونوں ہاتھ دھونے کا حکم کیا گیا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہاں پر لفظ یَد سے ایک ہی ہاتھ مُراد ہے۔ جس طرح ان روایات میں لفظِ یَد سے دونوں ہاتھ مراد ہیں اسی طرح مصافحہ کی روایات میں بھی جہاں جہاں یَد کا لفظ آیا ہے وہاں پر دونوں ہی ہاتھ مراد ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین مسئلہ مصافحہ میں یَد کے لفظ سے ایک ہاتھ مراد لینے پر جو ضد پر قائم ہیں وہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشادات اور حدیث کی مخالفت پر مبنی ہے۔ اور حدیثِ رسول کے مطابق جو لوگ مصافحہ کی روایات میں لفظِ یَد سے دونوں ہاتھ مُراد لیتے ہیں ان کی بات آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے عین مطابق ہے۔ خدا کرے ان روایات کو پڑھنے کے بعد غیر مقلد بھائیوں کی رائے بھی بدل جائے۔ اور لفظِ یَد سے دونوں ہاتھ مراد لیں۔

اجنبی عورتوں سے مُصَافحہ

(اعتراض ۱۵) " بیعت میں عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں "۔
(بحوالہ ہدایہ ۴/۴۴۴)

غیر مقلدین کی طرف سے یہ بھی ایک اعتراض ہے کہ بیعت کے وقت عورتوں سے مُصافحہ جائز نہیں۔ حنفیہ کی طرف سے یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ حنفیہ کا یہی مسلک اور یہی عقیدہ ہے کہ بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ کرنا یا ہاتھ مِلانا ناجائز اور حرام ہے۔ متعدد

احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ یا ہاتھ نہیں ملاتے تھے۔ اگر کوئی شخص فاسق و فاجر جھوٹا پیر بن کر اسطرح سے اجنبی عورتوں سے ہاتھ ملاتا ہے تو وہ خود بدعمل اور بددین ہے۔ انکی اس بدعملی کا مسلک حنفی سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اسکا ذمہ دار وہ خود ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عن عائشۃؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمتحن من ھاجر الیہ من المؤمنات بھٰذہ الآیۃ بقول اللہ یا ایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک الآیۃ، قال عروۃ قالت عائشۃ فمن اقر بھٰذا الشرط من المؤمنات قال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتک کلامًا، ولا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبایعۃ ما یبایعھن الا بقولہ قد بایعتک علیٰ ذلک۔

(بخاری شریف ۲/۷۲۶، ۲/۴۰۲)

وفی الھدایۃ ولا یحل لہ ان یمس وجھھا ولا کفھا وان کان یأمن الشھوۃ

(ہدایہ ۴/۴۴۲ جامع الاحادیث للسیوطی ۶/۵۳ فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۳۵)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ قرآن کریم کی اس آیت کیوجہ سے ان مومن عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے جو ہجرت کرکے آپؐ کے پاس آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے نبیؐ جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کیلئے آئیں تو ان کا امتحان لیا کریں۔ اور عروہ کی روایت میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو عورت اس شرط پر قائم رہتی اس سے آپ یہ فرمادیا کرتے تھے کہ میں نے تمکو زبانی گفتگو سے بیعت کرلی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے تھے یعنی ہاتھ سے مصافحہ نہیں کرتے تھے اور اللہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بیعت کے اندر کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں کیا ہے اور اپنے قول سے بیعت کرکے فرمادیا کرتے تھے کہ میں نے تمکو بیعت کرلیا ہے۔ اور ھدایہ جو فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب ہے اسمیں ہے کہ مرد کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ عورت کے چہرہ یا ہتھیلی کو چھوئے۔ اگرچہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔

کیا غیر مقلدین یہ سمجھتے ہیں کہ حنفی مسلک کے علماء بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ کو جائز کہتے ہیں؟ یا حنفیہ کی کسی معتبر کتاب میں ایسا دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں دیکھا ہوگا بلا وجہ اس قسم کے مسائل کو چھیڑ کر عامۃ المسلمین کو تردد میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا یہی تمہارا دین ہے؟

داڑھی منڈانا کترانا حرام ہے

(اعتراض ۱۶) "داڑھی منڈانا کترانا حرام ہے۔ کفار و مجوسی کی رسم ہے۔ عورتوں کی تشبیہ ہے" (بحوالہ درمختار ۱/۵۲۴)

کتاب کا حوالہ درست ہے نیز نفس مسئلہ بھی صحیح ہے: داڑھی کا ایک مشت سے کم کتروانا یا حلق کرانا حرام ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے تو اب یہاں یہ سوال ہے کہ اس مسئلہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ داڑھی منڈانے والے یا کترانے والے کا عمل تو وہ انکا ذاتی عمل ہے جو منشاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اور یہ بدعملی صرف حنفی مسلک کے لوگوں میں محدود نہیں بلکہ دُنیا کے تمام مسلک کے عوام میں کثرت کے ساتھ یہ بدعملی پائی جاتی ہے۔ غیر مقلدین کے عوام میں بھی کثرت سے یہ بدعملی موجود ہے جو امت میں نہیں ہونا چاہیے تو صرف حنفیہ کو کیوں نشانہ بنایا گیا؟ نیز مسلک حنفی کے ذمہ دار علماء اور مفتیانِ کرام و مشائخ عظام میں سے کسی کی بھی داڑھی ایک مشت سے کم کٹی ہوئی یا منڈی ہوئی نہیں ملے گی۔ اس کے برخلاف ہزاروں غیر مقلدین جو اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں اس گناہ میں مبتلا ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احفوا الشارب واعفوا اللحیٰ (نسائی شریف ۱/، مطبع اشرفی ۱/۲) درمختار میں ہے ۰ ولذا یحرم علی الرّجل قطع لحیتہ (درمختار ۲/۲۵۰، درمختار مع الشامی زکریا ۹/۵۸۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضورؐ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ اور درمختار میں ہے کہ اسی وجہ سے مرد کے لئے داڑھی کٹوانا حرام ہے۔

ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ کی حرمت

(اعتراض ۱۷) "ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ لٹکانا حرام ہے۔"
(بحوالہ سالہ بدعنہ ۲/۷۲)

یہ مسئلہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ مرد کیلئے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا حرام ہے۔ یہی حنفیہ کا عقیدہ اور مسلک ہے: حدیث پاک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال: سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ازرۃ المؤمن الیٰ انصاف ساقیہ لاجناح علیہ فیما بینہٗ وبین الکعبین وما اسفل من ذٰلک ففی النار قال ذٰلک ثلٰث مرات ولا ینظر اللہ یوم القیٰمۃ الیٰ من جرّ ازارہٗ بطرًا. رواہ ابوداؤد ۲/۵۶۶، وابن ماجۃ /۲۵۵ کتاب اللباس. ومثلہ عن ابی ھریرۃ رواہ البخاری ۲/۸۶۱ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۷۳) ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ المنان (وقولہ) والمنفق سلعتہ بالحلف الفاجر و المسبل ازارہٗ (مسلم شریف ۱/۷۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سنا آپ نے فرمایا کہ مومن مرد کا لباس نصف ساق تک مسنون ہے اور پنڈلی اور کعبین کے درمیان میں ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اور جسکا لباس اس سے نیچے ہوگا تو وہ جہنم میں ہوگا۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں کریگا جس نے اپنی لنگی یا پائجامہ غرور وفخر میں ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہے۔ اور بخاری شریف میں انہیں الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے کلام نہیں فرمائیگا۔ احسان کرکے جتلانے والا۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سامان

بیچنے والا، اور ٹخنوں سے ازار لٹکانے والا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کو نقل کر کے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حنفیہ تو مرد کیلئے بلا عذر ٹخنوں سے کپڑا لٹکانے کو حرام سمجھتے ہیں کیا غیر مقلدین نے کہیں حنفیہ کا کوئی ایسا فتویٰ دیکھا جس میں مرد کیلئے ٹخنوں سے نیچے بلا عذر کپڑا لٹکانا جائز لکھا ہو؟

معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض لکھنے والے کے دماغ میں جنون ہے۔ اعتراض لکھنے کے دھن میں مجنون اور پاگل بن گیا ہے۔

بے نمازی کی سزا

اعتراض ۱۸۱: بے نمازی کو امام اعظمؒ کے نزدیک ہمیشہ قید میں رکھنا واجب ہے۔ (بحوالہ ہدایہ ۱/۲۵ مالابد منہ/۱۱)

تارک الصلوٰۃ کو قید میں رکھنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اس مسئلہ کو غیر مقلدین نے حنفیہ پر الزاماً عائد کیا ہے سوال یہ ہے کہ حنفیہ پر کیا الزام عائد کرنا چاہتے ہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ کو نماز کے ترک کرنے پر ضرب شدید کا حکم ہے پھر بھی اگر نماز نہ پڑھے تو قید خانہ میں ڈال دینے کا حکم ہے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے، اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قتل کر دینے تک کا حکم ہے۔ اب غیر مقلدین اس مسئلہ کے ذریعہ حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ قید خانہ میں داخل کیوں نہیں کیا جاتا؟ کیا یہی الزام عائد کرنا چاہتے ہیں؟ تو پھر تو ائمہ ثلاثہ کے ماننے والوں پر یہ الزام عائد ہوگا کہ قتل کیوں نہیں کیا جاتا؟

در اصل بات یہ ہے کہ قید خانہ میں ڈالنا یا قتل کر دینا اسلامی حکومت میں امیر یا قاضیٔ اسلام کے حکم کے ساتھ مقید ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہے تو بے نمازی کے اوپر مذکورہ سزا مرتب ہونی چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مسلک امام اعظمؒ یہی ہے۔

قال الزهری یضرب ویسجن وبه قال ابو حنیفة ۔ (المغنی لابن قدامہ ۲/ ۱۵۶)

امام زہریؒ نے فرمایا تارک صلوٰۃ کو پٹائی کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ اور یہی امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا۔

مالا بدمنہ میں ہے "نزد امام اعظمؒ اورا (یعنی تارکِ نماز) حبسِ دائمی واجب است تاکہ توبہ کند"۔ (مالا بدمنہ/ ۱۳)

مجمع الانہر میں ہے: وتارکها عمداً تکاسُلاً فاسق یحبس حتیٰ یصلی وقیل یضرب حتی یسیل منه الدم مُبالغة فی الزجر (مجمع الانہر/ ۱۴۰)

الدر المنتقی علی حاشیہ مجمع الانہر میں ہے۔ ولا یقتل تارک الصلوٰة عمداً اوکسلاً اوتهاوناً بل یفسق فیضرب ویحبس ۔ (الدر المنتقی ۱/ ۱۴۲)

ترجمہ: مجمع الانہر میں ہے کہ جان بوجھ کر سستی اور کسل سے تارک صلوٰۃ فاسق ہے اس کو قید خانہ میں ڈالدیا جائے۔ یہاں تک نماز پڑھنے لگے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زجر و توبیخ میں زیادتی کیلئے اسکو ایسی مار ماری جائے کہ اس سے خون بہہ پڑے۔ الدر المنتقی میں ہے کہ تارکِ صلوٰۃ کو قتل نہ کیا جائے۔ چاہے نماز جان بوجھ کر یا سستی یا لاپرواہی سے ترک کرتا ہو۔ بلکہ اسکو فاسق قرار دیکر خوب مارا جائے اور قید میں ڈالدیا جائے۔

اگر اب غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ان سزاؤں کے ساتھ اسلامی حکومت کی قید کہاں ہے؟ تو ہم ان سے بڑے ادب سے گذارش کرتے ہیں کہ غیر مقلدین کے یہاں بھی ہر روز بے نمازی ملیں گے ذرا ہندوستان جیسے ممالک میں ایک دو کو قید خانہ میں ڈالکر یا قتل کرکے دکھادیں اس کے بعد حنفیہ پر اعتراض کریں۔

اعتراض ۱۹: گردن کا مسح بدعت ہے اور اس کی حدیث موضوع ہے۔
(بحوالہ درمختار ۱/ ۵۸)

اس مسئلہ میں درمختار کا حوالہ وہ غلط ہے۔ اسمیں گردن کے مسح کو نہ بدعت کہا ہے۔ اور نہ ہی حدیث کو موضوع کہا ہے بلکہ گردن کے مسح کو اس کے برعکس مستحب کہا ہے۔ ہاں البتہ دوسری کتابوں میں قول ضعیف کے ساتھ دوسرے لوگوں کیطرف منسوب کرکے گردن کے مسح کو بدعت کہا ہے۔ اور جن کتابوں میں گردن کے مسح کو بدعت کہا گیا ہے وہ قولِ ضعیف اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی لئے فتح القدیر اور البحر الرائق میں اس قول کو قیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور حنفیہ کا قول صحیح اور قول راجح اور مفتی بہ یہی ہے۔ کہ گردن کا مسح مستحب اور آداب وضوء میں سے ہے۔ ہاں البتہ حلق کا مسح حنفیہ کے نزدیک بدعت ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

ومسح الرقبة مستحب بظهر اليدين و الحلقوم بدعة وقيل مسح الرقبة ايضاً بدعة وفيما قدمنا من رواية اليامى انه صلى الله عليه وسلم مسح الرقبة مع مسح الرأس، وفى حديث وائل المقدم وظاهر رقبته (فتح القدير ۱/۲۶) وفى الطحطاوى على مراقى الفلاح ان مسح الرقبة مع مسح الرأس روى ابن عمر انه كان اذا توضأ مسح عنقه ويقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ ومسح عنقه لم يغل بالاغلال يوم القيامة (طحطاوى على مراقى الفلاح ۴۱/۱)

درمختار میں ہے۔ "ومسح الرقبة بظهر يدين لا الحلقوم لانه بدعة۔ (درمختار ۱/۲۳)

اور گردن کا مسح ہاتھوں کے ظاہری حصہ سے مستحب ہے اور حلقوم کا مسح بدعت ہے۔ اور ضعیف قول میں گردن کے مسح کو بدعت کہا گیا ہے اور ماقبل میں حضورؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے سر کے مسح کے ساتھ گردن کا بھی مسح فرمایا ہے اور حضرت وائل ابن حجر کی ماقبل کی روایت میں گردن کے ظاہری حصہ پر مسح کا حکم آیا ہے۔ اور طحطاوی میں ہے کہ گردن کا مسح سر کے مسح کے ساتھ کیا جائے۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ جب وضوء فرماتے تو گردن کا بھی مسح فرماتے اور ساتھ میں یہ بھی فرماتے تھے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضوء میں گردن کا مسح کرے قیامت کے دن اسکے گلے میں خیانت کا طوق نہیں ڈالا جائیگا۔ اور درمختار میں ہے کہ ہاتھ کے ظاہری حصے سے گردن کا مسح کیا جائے حلقوم کا مسح نہ کیا جائے۔ اسلئے کہ وہ بدعت ہے۔ گردن کا مسح مستحب ہے اور یہی صحیح قول ہے

وفی شامیة: ومسح الرقبة هو الصحیح وقیل انهٗ سنة کما فی البحر وغیرہ. (شامی زکریا ۱/۲۴۸)

عالمگیری «الفصل الثالث فی المستحبات» میں ہے مسح الرقبة وهو بظهر الیدین لا مسح الحلقوم فبدعة. (عالمگیری ۱/۸)

بحر میں ہے۔ قولهٗ ومسح رقبته، وقد اختلف فیه وقیل سنة وهو قول الفقیه ابی جعفر وبه اخذ کثیرٌ من العلماء کذا فی شرح مسکین وفی الخلاصة الصحیح انهٗ ادبٌ وهو بمعنی المستحب کما قدمناه، واما مسح الحلقوم فبدعة. (البحر الرائق کراچی ۱/۲۸) وفی المعجم الکبیر عن وائل بن حجر (فی حدیث طویل) فغسل وجهه ثلاثاً الی ان قال ثم مسح رقبته وباطن لحیته بفضل ماء الرأس (المعجم الکبیر ۲۲/۵۰)

اور ایک دوسرے قول میں سنت کہاہے۔ جیسا کہ البحر وغیرہ میں ہے۔

اور عالمگیری میں ہے کہ ہاتھ کے ظاہری حصہ سے گردن کا مسح کیا جائے اور حلقوم کا مسح بدعت ہے۔

اور البحرالرائق میں ہے کہ گردن کے مسح میں اختلاف ہے اور ایک قول میں سنت ہے اور سنت کے قول کو فقیہ ابو جعفر اور جمہور علماء نے اختیار کیا ہے۔ اور شرح مسکین اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ مستحب اور راجح یہی ہے کہ گردن کا مسح وضو کے آداب اور مستحبات میں سے ہے۔ اور حلقوم کا مسح بدعت ہے۔ اور معجم کبیر میں حضرت وائل بن حجرؓ سے اس موضوع پر ایک لمبی حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ چہرے کو تین مرتبہ دھوئے اور سلسلہ گفتگو چل رہا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ پھر گردن کا مسح کرے اور داڑھی کے اندر کا خلال کرے سر کے بچے ہوئے پانی سے۔

اور گردن پر مسح کی حدیث کو حنفیہ کی کسی کتاب میں موضوع نہیں کہا گیا ہے۔ غیر مقلدین نے درمختار کا حوالہ غلط دیا ہے۔ درمختار میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔ بلکہ گردن کے مسح کی روایت کی سند میں محمد بن حجر کے کچھ متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ روایت کو ضعیف کہا جا سکتا ہے۔ وہ بہر حال متہم بالکذب نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن حبانؒ، امام بخاریؒ اور علامہ ذہبی نے صرف ضعیف اور منکر کہا ہے۔ مگر کسی نے بھی ان کی روایت کو موضوع نہیں کہا۔ پوری تفصیل معجم کبیر ۲۲/۵۰ حدیث/۱۱۸ اور اس کے حاشیہ پر موجود ہے۔ حیرت یہ ہے کہ جب حنفیہ نے گردن کے مسح کو بدعت نہیں کہا ہے اور نہ ہی اس کی حدیث کو

موضوع کہاہے. توکیوں اس کو لیکر حنفیہ پر اشکال کر رکھا ہے ؟

قضاء نمازوں کے لئے اذان واقامت

(اعتراض نمبر ۲۰) • قضاء نمازوں کے لئے اذان واقامت کہنا سنت ہے ! (بحوالہ درمختار ۱/۱۸۱)

یہ غیر مقلدین کیطرف سے اعتراض کی عبارت ہے . یہ لوگ حنفیہ پر اس مسئلہ کے ذریعہ کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں ؟ حنفیہ کے یہاں تو یہی مسئلہ ہے کہ قضاء نمازوں کیلئے بھی اذان واقامت مسنون اور مستحب ہے . احناف کی کتب فقہ میں بعض جگہ مطلقاً یہی مسئلہ لکھا ہوا ہے ، اور بعض جگہ جماعت کی قید بھی ہے لیکن بہرحال مسلک احناف یہی ہے . اگر غیر مقلدین جو نام کے سلفی ہیں اور اجماع صحابہ وفقہ اسلامی کے منکرین ہیں . ان کے یہاں اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا مسئلہ ہے تو اس کو وہ لوگ جانیں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں . ہمارے یہاں تو قضاء نمازوں کیلئے بھی اذان واقامت مسنون ہے . اور اس مسئلہ کی دلیل میں دُو حدیثیں اور تین فقہ کی عبارت پیش کرتے ہیں ۔

۱ حدیث لیلۃ التعریس ہے . حدیث ملاحظہ فرمایئے ۔

عن یزید بن ابی مریم عن ابیہ قال کنا مع رسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرٍ فاسرینا لیلۃً فلما کان فی وجہ الصبح نزل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنام ونام الناس فلم یستیقظ الا بالشمس قد طلعت علینا فامر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤذن فأذن ثم صلی الرکعتین

(۱) حضرت یزید بن ابی مریم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھے اور رات بھر چلتے رہے جب صبح کے قریب ہوئی تو آپؐ اور صحابہ ایک مقام پر اُتر کر سوگئے پھر آپؐ جاگ نہ سکے مگر سورج کی روشنی کی تیزی سے بیدار ہوئے تو آپؐ نے مؤذن کو اذان کا حکم فرمایا تو اذان ہوگئی . پھر آپؐ نے فجر سے پہلے کی دُو رکعت سنت پڑھی پھر مؤذن کو اقامت کا حکم فرمایا اسکے بعد آپؐ نے

قبل الفجر ثم امرہ فقام فصلی بالناس ثم حدثنا ماھو کائن حتی تقوم الساعۃ (نسائی ۱/۲، اشرفی)

لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر اس کے بعد آپ نے ہم سے وہ باتیں بیان فرمائیں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

② غزوۂ خندق کی روایت۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ قال، ان المشرکین شغلوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اربع صلوٰۃ یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ما شاء اللہ فامر بلالاً فاذن ثم اقام فصلی الظھر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء قال ابو عیسیٰ حدیث عبداللہ لیس باسناده باس۔ (ترمذی شریف ۱/۴۳)

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ خندق کے دن مشرکین نے آپ کو چار نمازوں سے محروم کر دیا حتی کہ رات کا بھی کچھ حصہ گذر گیا تو حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان پھر اقامت کا حکم فرمایا تو ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی تو مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی تو عشاء کی نماز پڑھی۔

③ تاتارخانیہ میں ہے: ومن فاتتہ صلوٰۃ عن وقتھا فقضاھا فی وقت آخر اذن لھا و اقام واحداً کان او جماعۃ۔ (تاتارخانیہ ۱/۵۴)

(۳) تاتارخانیہ میں ہے کہ جس شخص کی نماز وقت سے قضاء ہو جائے تو اس کو دوسرے وقت میں اذان اور اقامت کے ساتھ قضاء پڑھنی چاہیے تنہا پڑھے یا جماعت کیساتھ۔

④ درمختار میں ہے: ویسن ان یؤذن ویقیم لفائتۃ رافعاً صوتہ لو بجماعۃ او صحراء لا ببیتہ منفرداً وکذا یسنان لاولی الفوائت لا لفاسدۃ۔ ویخیر فیہ للباقی لو فی مجلس وفعلہ اولی ویقیم للکل۔ (درمختار مع ردالمحتار مصری ۱/۲۹۲، شامی زکریا ۲/۵۰)

(۴) درمختار میں ہے کہ قضاء نماز کیلئے اذان دینا اور بلند آواز سے اقامت کہنا مسنون ہے۔ اگر جماعت کیساتھ پڑھی جائے یا صحراء میں پڑھی جائے نہ کہ گھر میں تنہا پڑھنے کی صورت میں۔ اور ایسے ہی قضاء نمازوں میں سے پہلی نماز کیلئے اذان مسنون ہے۔ فاسد نماز کیلئے نہیں اور باقی قضاء نمازوں کیلئے اذان دینے میں اختیار ہے اگر ایک مجلس میں پڑھی جائے۔ اور اذان دینا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور ہر قضاء نماز کیلئے تکبیر کہنا مسنون ہے اور قضاء نمازوں میں سے پہلے کے علاوہ باقی کیلئے اقامت میں

⑤ لا یخیر فی الاقامۃ للباقی بل یکرہ

ترکھا کما فی نور الایضاح ۔ (شامی زکریا ۲/۵۸　　اعتنا نہیں ہے بلکہ ترک اقامت مکروہ ہے جیسا کہ
کبیری/۳۵۷ ، البحرالرائق ۵/۲۶۱ ، فتاوی دارالعلوم ۲/۹۶)　　نورالایضاح میں ہے ۔

سرکھول کر نماز پڑھنا

(اعتراض ۲۱) - انکساری کیلئے سر کھول کر نماز پڑھنا درست ہے۔" (درمختار ۱/۲۹۹)

مسئلہ اور حوالہ دونوں اپنی جگہ درست ہیں غیر مقلدین جو سر کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ وہ کس عاجزی کی بنا پر پڑھتے ہیں. اور حنفیہ کے یہاں سر کھول کر نماز پڑھنے سے ہر حال میں نماز صحیح ہوجاتی ہے لیکن گفتگو افضلیت اور اولویت پر ہے بلا کسی عذر یا عاجزی کے سر کھول کر نماز پڑھنا خلاف سنت اور فضیلت سے محرومی اور مکروہ ہے. نیز حضورؐ سے سر کھولکر نماز پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں. ہاں البتہ دو صورتوں میں سر کھول کر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے ۔

۱۔ عاجزی و انکساری کی بنا پر سر کھول کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں جیسا کہ حالتِ احرام میں سر کھول کر نماز پڑھنے کا حکم ہے بلکہ اسمیں سر کھول کے نماز پڑھنا لازم ہے ۔ اور اسی طرح صلوٰۃ الاستسقاء میں سر کھول کر نماز پڑھنا خلافِ سنت نہیں ہے. کیوں کہ یہاں پر عاجزی اور انکساری سر کھلا رہنے میں ہی ہے۔

۲۔ کسی خاص عذر کی بنا پر سر کھول کر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے. مثلاً ٹوپی کا انتظام نہ ہو، نماز نکلی جارہی ہو، یا سر پر زخم یا کوئی اور عذر ہو تو ان صورتوں میں سر کھول کر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے. غیر مقلدین سے سوال ہے کہ وہ کس عذر یا کونسی انکساری کیوجہ سے سر کھول کر نماز پڑھتے ہیں ۔ درمختار کی عبارت کا یہی مطلب ہے. عبارت ملاحظہ فرمایئے.

(۱) وکرہ صلوٰتہ حاسرًا ای کاشفًا رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما　　اور مرد کا سستی اور لاپرواہی سے سر کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے. اور عاجزی و انکساری کیلئے کوئی حرج نہیں

للاهانة فكفر۔ (درمختار مع الشامی زکریا ۱/ ۴۰۷، فتاویٰ دار العلوم ۴/ ۹۳)

اور بہر حال اہانت اور توہین کیلئے سر کھول کر نماز پڑھنا موجب کفر ہے۔

(۲) بخاری میں ہے۔ عن عبد الله بن عمرؓ قال: یا رسول الله ما یلبس المحرم من الثیاب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا یلبس القمیص ولا العمائم ولا السراویلات ولا البرانس۔ (بخاری شریف ۱/ ۲۰۹ حدیث ۱۵۱۹)

بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ محرم کونسا لباس پہن سکتا ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ نہ قمیص پہن سکتا ہے نہ عمامہ باندھ سکتا ہے اور نہ سروال پہن سکتا ہے اور نہ ٹوپی پہن سکتا ہے۔ یہاں احرام کے عذر اور حج کے سامنے ذلت و خواری کیلئے ٹوپی نہ پہننے کا حکم کیا گیا ہے۔

صفوں میں مل کر کھڑے ہونا

> **(اعتراض ۲۲)** " امام مقتدی کو حکم کرے ایک دوسرے سے ملے رہیں۔ بیچ کی جگہ کو بند کر دیں "۔ (بحوالہ درمختار ۱/ ۲۶۴)

درمختار میں مسئلہ ایسا ہی ہے کہ امام کے ذمہ یہ ہے کہ مقتدیوں کو صفیں سیدھی کرنیکا حکم کرے اور بیچ میں کوئی خلل باقی نہ رکھیں کندھے کو کندھے سے ملا کر کھڑے ہوں۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ پیروں کو پھیلا کر کھڑے ہوں بلکہ کندھے کو کندھے اور قدموں کو قدموں سے ملا کر کھڑے ہونیکا ذکر ہے۔ حدیث پاک میں بھی یہی مذکور ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں قدم کو قدم سے ملانیکا ذکر نہیں ہے صرف بعض صحابہ کا عمل ہے بلکہ حضورؐ کے قول میں جو صراحت ہے وہ کندھے سے کندھے ملانے کی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

عن انس عن النبی صلى الله عليه وسلم قال اقيموا صفوفكم فانی أراكم من وراء ظهری

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم صفوں کو سیدھی کرو اسلئے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں۔

وکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ۔ (بخاری شریف ۱/۱۰۰ حدیث ۷۲۵)

وفی معجم الاوسط: عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوا کما تصف الملائکۃ عند ربھم قالوا یا رسول اللہ کیف تصف الملائکۃ عند ربھم یقیمون الصفوف ویجمعون بین مناکبھم۔

(معجم الاوسط ۹/۲۰۳، حدیث ۸۴۴۳)

مصنف عبد الرزاق میں ہے: عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقیموا الصفوف فان اقامۃ الصفوف من حسن الصلوٰۃ (مصنف عبد الرزاق ۲/۴۴)

وعن سوید بن غفلۃ قال: کان بلال یضرب اقدامنا فی الصلوٰۃ ویسوی مناکبنا۔

(مصنف عبد الرزاق ۲/۴۷) وعن ابی عثمان قال رأیت عمر اذا تقدم إلی الصلوٰۃ نظر الی المناکب والاقدام (مصنف عبد الرزاق ۲/۴۷) درمختار میں ہے ویصف ای یصفھم الامام بان یامرھم بذلک قال الشمنی وینبغی ان یامرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم۔ (درمختار زکریا ۲/۳۱۰)

اور ہم میں سے کوئی اپنے کندھے کو ساتھی کے کندھے سے اور اپنے قدم کو ساتھی کے قدم سے ملانے لگے۔ اور معجم اوسط میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم صفوں میں اسطرح کھڑے ہو جاؤ جیسا کہ ملائکہ اپنے رب کے پاس صف بندی کر کے کھڑے ہوتے ہیں تو صحابہؓ نے پوچھا کہ ملائکہ اپنے رب کے پاس کس طرح صف بندی کر کے کھڑے ہوتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ صفوں کو سیدھی رکھتے ہیں۔ اور کندھوں کو کندھوں سے ملاتے ہیں۔ اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ صفوں کو سیدھی رکھو اسلئے کہ صفوں کو سیدھی کرنا نماز کی خوبیوں میں سے ہے۔ اور حضرت سوید ابن غفلہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نماز میں ہمارے قدموں میں مارتے تھے اور ہمارے مونڈھوں کو سیدھا کرتے تھے۔

اور حضرت عمرؓ جب نماز کیلئے آگے بڑھتے تو لوگوں کے مونڈھوں اور قدموں کیطرف دیکھتے تھے۔ اور درمختار میں ہے کہ امام لوگوں

کو صفیں سیدھی کرنیکا حکم کرے۔

شمنی نے کہا کہ افضل یہی ہے کہ امام مقتدیوں کو حکم کرے کہ صفوں کو سیدھی کریں، اور بیچ کی خالی جگہوں کو ختم کردیں۔ اور اپنے کندھوں کو سیدھا رکھیں۔

روایات کا جائزہ

ان تمام روایات پر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ کندھوں کو کندھوں سے ملانے کے اہتمام کا زیادہ حکم ہے۔ جو حضورؐ کے قول میں صراحت سے موجود ہے۔ اور قدموں کو قدموں سے ملانیکا حکم حضورؐ کے قول میں نہیں ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا لوگوں کے قدموں کیطرف دیکھنے کا جو ذکر ہے اسکا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی ہیئت پر قدموں کو رکھکر کھڑا ہے یا نہیں۔ تاکہ ہر ایک کا کندھا دوسرے کے کندھے سے بسہولت مل سکے۔ اگر آدمی اپنی ہیئت پر کھڑا نہیں ہوگا بلکہ پیروں کو پھیلا کر کھڑا ہوگا تو اسکا کندھا دوسرے کے کندھے سے آسانی سے مل نہیں سکے گا۔ جب کندھے سے کندھے مل جائیں گے تو بیچ میں کوئی جگہ خالی نہیں رہے گی۔ یہی حضور اکرمؐ کا منشاء ہے۔ اور یہی خلفاء راشدین کا عمل ہے۔ اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ اور حنفیہ اس کے قائل ہرگز نہیں ہیں کہ بیچ کی جگہ خالی رکھی جائے۔

ناف کے نیچے یا سینہ پر ہاتھ باندھنا

غیر مقلدین نے نماز کے اندر سینہ پر ہاتھ باندھنے یا زیر ناف ہاتھ باندھنے کے متعلق تین سُرخیوں کے ذریعہ سے حنفیہ پر الزام قائم کیا ہے اور وہ تینوں سُرخیاں حسب ذیل ہیں۔ ہدایہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ:

> (اعتراض ۲۲) "سینہ پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مرفوع اور قوی ہیں"۔
> (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۵۰)

یہ مسئلہ بھی غلط ہے اور ہدایہ کا حوالہ بھی غلط ہے۔ ھدایہ میں کہیں اسطرح کی عبارت نہیں ہے اور نہ ھدایہ کے متن میں ایسی عبارت ہے۔ اور نہ ہی ھدایہ کے حاشیہ میں۔ ہاں البتہ عین الہدایہ کے مصنف نے اپنی طرف سے یہ بات لکھی ہے حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی احادیث متکلم فیہ ہیں جس کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ ہم پیش کریں گے۔

اعتراض ۲۴: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی احادیث ضعیف ہیں۔
(بحوالہ ہدایہ ۱/۳۵۰)

یہ مسئلہ بھی غلط ہے ہدایہ کے متن میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔ ہاں البتہ عین الہدایہ میں جہاں سے معترض نے اعتراض نقل فرمایا ہے وہاں پر خود عین الہدایہ کی عبارت اس کے خلاف ہے کہ مترجم نے خود یہ بات لکھی ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت مرفوع اور معتبر ہے۔

اعتراض ۲۵: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث حضرت علیؓ کا قول ہے اور وہ ضعیف ہے۔ مرفوع نہیں ہے۔ (بحوالہ شرح وقایہ ۹۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ضعیف ہونا اور مرفوع نہ ہونا یہ ہدایہ اور شرح وقایہ کے حاشیہ میں موجود ہے (ہدایہ ۱/۱۰۲، شرح وقایہ ۱/۱۴۴) لیکن متن میں کہیں نہیں ہے۔ البتہ جہاں سے غیر مقلدین نے اعتراض نقل کیا ہے وہاں پر خود صاحب عین الہدایہ نے اسکو نقل کرنیکے بعد لکھا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا صحیح اسناد اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے جب وہاں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت کو صحیح سند سے ثابت کیا ہے تو پھر قولِ علیؓ کو لیکر حنفیہ پر کیوں حملہ کیا جب کہ صرف قولِ علیؓ حنفیہ کا مستدل نہیں ہے۔

اصل مسئلہ کا جائزہ

اب رہی یہ بات کہ نماز کے اندر سینہ پر ہاتھ باندھا جائے یا ناف کے نیچے تو اس سلسلے میں احادیث شریفہ پر غور کرنیکی ضرورت ہے ہم نے پورے ذخیرۂ حدیث کا اس سلسلہ میں مطالعہ کر کے دیکھا تو روایات دونوں طرف موجود ہیں۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات بھی کتب حدیث میں موجود ہیں مگر وہ تمام روایات متکلم فیہ ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق

بھی کتب حدیث میں کافی روایات موجود ہیں۔ صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں ہے۔ جیسا کہ غیر مقلدین کہنا چاہتے ہیں۔ بلکہ متعدد صحابہ کرام سے مرفوع اور غیر مرفوع روایات موجود ہیں۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کا قول ضعیف ہے لیکن غیر مقلدین یاد رکھیں کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال نہیں کرتے ہیں بلکہ قول علیؓ کے علاوہ تحت السُّرہ ہاتھ باندھنے کے متعلق متعدد صحابہؓ سے روایات مروی ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کے سامنے اولاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں اسکے بعد اصل مسئلہ کیا ہے؟ اسکو پیش کریں گے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات

سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق تین روایات ہم کو ملی ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت۔

اخبرنا ابوسعید احمد بن محمد الصوفی انبأنا ابو احمد بن علی الحافظ حدثنا ابن صاعد حدثنا ابراھیم بن سعید حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنا سعید بن عبد الجبار ابن وائل عن ابیہ عن امّہ عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا او حین نھض الی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیہ بالتکبیر ثم وضع یمینہ علی یسراہ علی صدرہ ورواہ ایضا مؤمل بن اسماعیل عن الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل انّہٗ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ ثم وضعھما علی صدرہٖ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی دار الکتب العلمیہ ۲/۴۶، حدیث ۲۳۳۵، دار المعرفہ ۲/۳۰، معارف السنن ۲/۳۲۴، اعلاء السنن ۲/۱۶۸، انصب الرایہ ۱/۳۱۵، تحفۃ الاحوذی ۲/۷۹)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد کے لئے تشریف لیجارہے تھے۔ تو آپ محراب میں داخل ہوئے۔ اور تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھایا، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا۔ نیز مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے کہ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھر ان دونوں کو سینہ کے اوپر رکھا۔

(۲) حضرت ہلب طائیؓ کی روایت :

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان حدثنی سماک بن حرب عن قبیصۃ بن ھلب عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وعن یسارہ ورأیتہ قال یضع ھٰذہٖ علی صدرہٖ ووصف یحیی الیمنیٰ علی الیسریٰ فوق المفصل۔

(۲) حضرت ہلب طائیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپ دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور میں نے آپؐ کو اشارہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ انکو اپنے سینے پر رکھے ہوئے۔ اور حدیث کے راوی یحییٰ ابن سعید نے ھٰذہٖ علیٰ صدرہٖ کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی کے اوپر رکھتے تھے۔

(مسند امام احمد ۲۲۶/۵، تحفۃ الاحوذی ۲ /۸۰، اعلاء السنن ۲/۱۷۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

(۳) حضرت طاؤس بن کیسان کا اثر۔

وعن طاؤس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ ثم یشبک بھما علی صدرہ وھو فی الصلوٰۃ۔

(۳) اور حضرت طاؤس ابن کیسان سے مُرسل روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھتے پھر ان دونوں کو باندھ کر کے نماز میں اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مراسیل ابو داؤد، تحفۃ الاحوذی ۲/ ۸۱، معارف السنن ۲ / ۳۳۰)

سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق یہ تین روایتیں ہیں۔ پہلی روایت حضرت وائل بن حجر کی ہے۔ حضرت وائل بن حجر کی روایت متکلم فیہ اور ضعیف ہے۔ اور ان کی روایت کی سند میں محمد بن حجر منکر الحدیث ہے۔ سنن کبریٰ، بیہقی کے حاشیہ میں اس پر کافی بحث کی ہے۔ اسی طرح وائل بن حجر کی روایت مؤمل سے بھی نقل کی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی نسخہ قدیم ۲/ ۳۰، نسخہ بیروت ۲/ ۴۶)

تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال میں ان کو کثیر الغلط کہا گیا ہے۔ اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ جبکہ امام ابو حاتم اور امام ابوزرعہ رازی وغیرہ نے ان کو کثیر الخطاء کہا ہے سنن کبریٰ ۲/۳۰ کے حاشیہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے۔

اور ہلب کی روایت میں یضع ھذہ علی صدرہ کا لفظ متعین نہیں ہے۔ اس پر محدثین نے زبردست کلام کیا ہے۔ عون المعبود اور التعلیق الحسن وغیرہ میں اس لفظ پر کلام کیا ہے کہ علی صدرہ کا لفظ از قبیل تصحیف ہے یہ کاتب کی طرف سے تصحیف ہے اور یا لفظ وصف یحییٰ الیمنی کے الفاظ سے واضح ہے کہ یحییٰ نے اپنی طرف سے یمنی کا لفظ بڑھایا ہے۔ الیمنی حدیث کا لفظ نہیں ہے اور حدیث کے الفاظ یضع ھذہ علی ھذہ ہیں لہٰذا صحابی کے الفاظ میں علی ھذہ ہے علی صدرہ نہیں ہے۔ اسلئے حضرت ہلب کی روایت دوسری اسناد سے جو مروی ہے انہیں کہیں بھی علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔ اعلاء السنن میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (اعلاء السنن کراچی ۲/۱۷۱ بیروت ۲/۱۸۰)

نیز علامہ شوق نیموی نے التعلیق الحسن علی آثار السنن میں مختلف دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت ہلب کی روایت میں درحقیقت علی صدرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ کاتب کیطرف سے اضافہ ہے۔ نیز ہلب کی روایت میں سماک ابن حرب کو لین الحدیث کہا گیا ہے۔ اسلئے حضرت ہلب کی روایت بھی متکلم فیہ ثابت ہوئی۔

اور طاؤس بن کیسان کا اثر جو حدیثِ مرفوع نہیں ہے۔ اور طاؤس اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کون کون سے راوی ہیں انکا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور ایسی مرسل روایات حنفیہ کے یہاں تو کبھی حجت بن جاتی ہیں لیکن تم غیر مقلدین اور نام کے سلفیوں کے یہاں مرسل روایات حجت نہیں بنتی ہیں۔ تو پھر تم طاؤس کی مرسل روایت سے کس بناء پر استدلال کروگے معلوم ہوا کہ گنی چُنی ڈھونڈھی روایتیں سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق ملتی ہیں اور سب کی سب متکلم فیہ ہیں اور اس طرح متکلم فیہ روایات کے ذریعہ سے سینہ پر ہاتھ

باندھنے کا اصرار اور نہ باندھنے والوں پر تنقید و الزامات عائد کرنا کونسی انصاف کی بات ہے۔

نیز ھدایہ کے حوالے سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت کو مرفوع اور قوی کہنا یہ بھی سَراسر غلط ہے۔ ھدایہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ عینیؒ الہدایہ اور ہدایہ دونوں ایک نہیں بلکہ الگ الگ کتابیں ہیں۔ شارح کی بات کو ماتن کی طرف منسوب کرنا تلبیس ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق بہت سی روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے صحیح غیر صحیح چھ روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت۔

حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السّرۃ۔

(۱) حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا ہے کہ آپ نے نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھکر دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۹۰)

(۲) حضرت علی بن ابی طالبؓ۔

حدثنا ابومعاویۃ عن عبد الرحمٰن بن اسحاق عن زیاد بن زید السّوائیؒ عن ابی جحیفۃ عن علیؓ قال من سنۃ الصلوٰۃ

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں

ان توضع الایدی علی الایدی تحت السّرۃ۔

کہ ہاتھوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰)

(۳) حضـــرت ابوہریرہؓ ۔

حدثنا مسدد حدثنا عبد الواحد ابن زیاد عن عبد الرحمٰن بن اسحاق الکوفی عن یسار ابی الحکم عن ابی وائل قال: قال ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذ الاکف علی الاکف فی الصلوٰۃ تحت السّرۃ۔ (اعلاء السنن ۲/۱۸۲، حاشیہ سنن کبریٰ للبیہقی ۲/۳۱، تحفۃ الاحوذی ۲/۸۷)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو ہاتھوں سے پکڑ کر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(۴) حضـــرت انس بن مالکؓ ۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ثلث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الید الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ تحت السُّرّۃ۔ (معارف السنن ۲/۴۴۳، تحفۃ الاحوذی ۲/۸۹، حاشیہ سنن کبریٰ للبیہقی ۲/۳۲)

(۴) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبوت کی صفات میں سے تین صفتیں ہیں (۱) افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری میں تاخیر کرنا (۳) نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(۵) حضـــرت ابراہیم نخعیؒ کا اثر ۔

حدثنا وکیع عن ربیع عن ابراھیم قال یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)

(۵) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(۶) حضرت ابو مجلزؒ کا اثر۔

حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألته قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علیٰ ظاهر کف شماله ویجعلها اسفل من السرة الحدیث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)	(۶) حضرت ابو مجلز فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھیں اور پھر دونوں کو ناف کے نیچے رکھے۔

ان تمام روایات سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا طریقہ ثابت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق دونوں طرح کی روایات ہمارے سامنے ہیں اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی جو روایات ہیں انکا کمزور ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق مذکورہ چھ روایات ہیں ان میں بھی بعض متکلم فیہ ہیں۔ حنفیہ ان روایات سے استدلال کر کے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں اور ان کی طرف سے سینے پر ہاتھ باندھنے والوں پر نہ کوئی اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔ نیز زیرِ ناف ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم بھی ہے۔ اور عورتوں کیساتھ مشابہت نہیں ہے۔ حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صورت میں عورتوں سے مشابہت بھی لازم آتی ہے اور زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایات کی تعداد بھی زیادہ ہیں اسلئے حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں اور یہ بات غلط ہے کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ تو پھر کس وجہ سے حنفیہ پر اعتراض کیا جارہا ہے۔

امام کے پیچھے قرارت کا فلسفہ

غیر مقلدین جو منکرین اجماع صحابہ اور منکرین فقہ ہیں ان کی طرف سے مقتدی کے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے متعلق مسلسل چار اعتراضات اس انداز سے پیش کئے گئے ہیں جس سے ناظرین دھوکہ میں رہ کر شکوک میں مبتلا ہو سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(اعتراض ۲۶) "سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر کسی کی نماز قبول نہیں ہوتی" (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۶۱)

مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ البتہ ھدایہ ۱/۸۷ میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ان الفاظ کیساتھ لکھا گیا ہے۔ نہ کہ احناف کا مسلک۔

- وللشافعی قوله علیه السّلام لاصَلٰوۃ اِلّا بفاتحۃِ الکتاب و للمالک لاصَلٰوۃ الابفاتحۃ الکتاب وسورۃ معها۔ (ہدایہ ۱/۸۷)

(اعتراض ۲۷) "مقتدی سورۂ فاتحہ دل میں پڑھے اور یہ حق ہے۔" (حوالہ ہدایہ ۱/۳۶۱)

اسمیں بھی مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں ہاں البتہ مترجم صاحب عین الہدایہ نے بحث کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے جسمیں جی میں پڑھنے کی بات ہے جس کو ہم آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

(اعتراض ۲۸) "امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں"۔ (بحوالہ شرح وقایہ ۱۰۱ / ۱۰۸)

یہاں بھی مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ بلکہ امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا مسلک

شرح وقایہ میں نقل فرمایا ہے نہ کہ حنفیہ کا۔

(اعتراض ۲۹) حضرت علیؓ کا قول منع فاتحہ بھی ضعیف اور باطل ہے۔ (بحوالہ شرح ۱۱۰)

یہ حوالہ بھی غلط ہے۔ شرح وقایہ میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے، بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ کا قول اس سند کے ساتھ موجود ہے۔

حدثنا محمد بن سُلیمان الاصبهانی	
عن عبد الرحمٰن الاصبهانی عن بن ابی لیلی	حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس
عن علیؓ قال من قرأ خلف الامام فقد	شخص نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے فطرتِ
اخطأ الفطرة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)	اسلام میں غلطی کرلی۔

غیر مقلدین نے امام کے پیچھے مقتدی پر قراءت سے متعلق مذکورہ چار اعتراضات حنفیہ کی کتابوں کے حوالوں سے پیش کئے ہیں۔ اور چاروں غلط ہیں۔

فاتحہ خلف الامام کا تحقیقی جائزہ

غیر مقلدین نے غلط اور جھوٹے حوالوں کے ساتھ حنفیہ کی کتابوں کے ذریعے سے احناف پر نمبروار چار اعتراضات کئے ہیں جس کی حقیقت آپ کے سامنے واضح ہوگئی ہے۔ اور اخیر میں یہ ظاہر کیا ہے کہ منع فاتحہ سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ضعیف اور باطل ہے۔ اس جملہ سے خالی الذہن مُسلمان یہ دھوکہ کھا سکتے ہیں کہ شاید منع فاتحہ سے متعلق صرف حضرت علیؓ کا قول ہے اور وہ بھی ضعیف ہے لیکن ہم غیر مقلدین اور تمام مسلمانوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت سے متعلق دونوں طرح کی روایات احادیثِ شریفہ کی

کتابوں میں موجود ہیں۔

پڑھنے سے متعلق صرف چار صحابی سے روایات مروی ہیں۔ اور ان تمام روایات کی تاویلات بھی ہیں جبکہ اس کے برخلاف امام کے پیچھے مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت سے متعلق حضرت علیؓ کے علاوہ پندرہ صحابہ سے روایات مروی ہیں۔ اور حضرت علیؓ سمیت سولہ صحابہؓ سے روایات مروی ہیں۔

عدل وانصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ دونوں طرف کی روایات پیش کیجانے کے بعد صحیح جائزہ لیا جائے۔ اور صحیح بات کیا ہے اس کو ثابت کیا جائے۔

لہٰذا ہم اولاً آپ کے سامنے دونوں طرف کی روایات پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد صحیح بات کیا ہے اس کو واضح کریں گے۔

سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق چار صحابہ کی روایات

صحابی (۱) حضرت ابو ہریرہؓ:-

(۱) عن ابی هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من صلى صلوٰة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام فقال حامل الحديث انى اكون احيانا وراء الامام قال اقرء بها في نفسك۔

(مسلم شریف ۱/ ۱۶۹، بیہقی ۲/ ۳۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے حضورؐ کا ارشاد مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اسمیں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص ہے تو حاملِ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد نے کہا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے جی میں پڑھا کرو۔

عن ابی هريرةؓ قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم اخرج فنادِ فى المدينة

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں ہے حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ نکل کر مدینہ کے لوگوں میں اعلان کردیں کہ

انہ لاصلوٰۃ الا بقرآن ولو بفاتحۃ الکتاب فما زاد ۔ (ابو داؤد شریف مطبع مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱/۱۱۸ دوسرا نسخہ ۱/۱۲۵)

بغیر قرآن پڑھے نماز نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ سورۂ فاتحہ کیوں نہ ہو یا کچھ زیادہ۔

عن ابی ھریرۃ وان لم تزد علی ام القرآن اجزأت وان زدت فھو خیر۔ بخاری شریف ۱/۱۰۶)

اور حضرت ابوہریرہؓ کی تیسری روایت میں ہے کہ اگر تم سورۂ فاتحہ پر اضافہ نہ کرو تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی اور اگر اضافہ کر دو تو بہتر ہوگا۔

صحابی ② حضرت ابوسعید خدریؓ۔

عن ابی سعید ن الخدری قال: امرنا ان (۲) نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسّر۔ (ابو داؤد شریف ۱/۱۱۸)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم کو سورۂ فاتحہ اور اسکے علاوہ حسب حیثیت دوسری سورۃ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجزی صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب۔ (شرح المنوری ۱/۱۷۱، عمل المغنی ۲/۲۱۶)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

عن ابی سعید ن الخدریؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم ولا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ او غیرھا۔ (ترمذی ۱/۷۱)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی تیسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اور نماز کی تحریم تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل سلام ہے اور اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو الحمد شریف اور کوئی دوسری سورۃ نہ پڑھے۔ فرض نماز میں ہو یا نفل میں۔

صحابی ③ حضرت عبادہ بن الصامتؓ۔

عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً: لاصلوٰۃ (۳) لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری شریف

حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو فاتحہ نہ پڑھے۔

۱/۱۰۴، مسلم شریف ۱/۱۶۹، مسند احمد ۵/۳۱۴، بیہقی ۲/۳۸، ابوداؤد ۱/۱۲۶، مصنف عبد الرزاق ۲/۹۳ (فیہ بام القرآن)

عن عبادة بن الصامت قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب وآيتين معها۔ (طبرانی اوسط ۳/۱۳۸، حدیث ۲۲۸۳)

اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی دوسری روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے الا یہ کہ سورۂ فاتحہ اور اسکے ساتھ دو آیتیں پڑھی جائیں۔

عن عبادة بن الصامت ان النبى صلى الله عليه وسلم قال: ام القرآن عوض من غيرها وليس غيرها منها عوضا (بیہقی باب القراءۃ ۹/)

حضرت عبادہ ابن صامت کی تیسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ اسکے علاوہ کا عوض ہے۔ اور اس کے علاوہ اسکے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے۔

عن عبادة بن الصامتؓ قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الفجر فثقلت عليه القراءة فلما سلم قال انقرءون خلفى قلنا نعم يا رسول الله قال فلا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلوٰة لمن لم يقرأ بها۔ (طحاوی شریف ۱/۱۷۰ مطبع اصیفیہ)

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی چوتھی روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی تو آپ کے اوپر قرأت کرنا ثقیل ہو گیا تو آپؐ نے سلام کے بعد فرمایا کہ کیا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو. تو ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ، تو آپؐ نے فرمایا کہ اب مت کیا کرو. الا یہ کہ سورۂ فاتحہ اسلئے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

عن عبادة بن الصامت قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة العشاء فثقلت عليه القراءة فلما انصرف قال لعلكم تقرءون خلف امامكم قال قلنا اجل يا رسول الله انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا بام القرآن

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی پانچویں روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرارت کرنا بھاری پڑ گیا تو آپؐ نے فراغت کے بعد فرمایا کہ کیا تم اپنے امام کے پیچھے قرارت کرتے ہو. تو ہم نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ. ہم لوگ قرارت کرتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو۔

فانہ لاصلوٰۃ الا بہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۳)

الا یہ کہ سورۃ فاتحہ اسلئے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحابی ۴ حضرت ابن عباسؓ۔

عن ابن عباسؓ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فصلی رکعتین لم یقرأ فیھما الا بفاتحۃ الکتاب۔ (صحیح ابن خذیمہ ۲/۲۰۲، اعلاء السنن ۲/۲۲۵)

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی ان دونوں رکعتوں میں علاوہ سورہ فاتحہ کے اور کوئی سورۃ نہیں پڑھی۔

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت میں تشولہ صحابہ کرام کی روایات

مقتدی کے لئے مطلق قرارت کی ممانعت

آیت قرآنی: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(الجزء التاسع سورۃ اعراف آیت ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور توجہ کیساتھ بالکل خاموشی اختیار کرو۔ تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

جہری نماز میں قرارت کی ممانعت

صحابی ۱ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

عن عبد اللہ قال: کنا نقرأ خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علی القرآن۔ (طحاوی شریف ۱/۱۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم حضورؐ کے پیچھے قرات کیا کرتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم میرے اوپر قرآن کو خلط ملط کرتے ہو۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ کان لایقرأ خلف الامام فیما یجھر فیہ وفیما یخافت فیہ فی الأولیین ولافی الأخریین واذا صلی وحدہ قرأ فی الأولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ولم یقرأ فی الأخریین شیئا۔

(موطا امام محمد ص۱۰۰)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دوسری روایت میں ہے جس میں اس کا خود عمل ہے کہ وہ امام کے پیچھے کوئی قرارت نہیں کرتے تھے۔ نہ جہری نماز میں کرتے تھے اور نہ ہی سری نماز میں۔ نہ پہلی دونوں رکعتوں میں کرتے تھے اور نہ ہی آخری دونوں رکعتوں میں۔ اور جب تنہا نماز پڑھتے تھے تو پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اسکے علاوہ کوئی اور سورۃ بھی پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

صحابی ② حضرت ابو ہریرہؓ۔

(۲) عن ابی ھریرۃ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلوٰۃ جھر فیھا بالقراءۃ فقال ھل قرأ معی احد آنفا فقال رجل نعم یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اقول مالی أنازع القرآن قال فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالقراءۃ فی الصلوٰۃ حین سمعوا ذلک منہ۔

(طحاوی شریف ۱/۱۲۹، مطبع اشرفیہ ۱/ ۱۵۸،

سند ابی یعلیٰ ۵ / ۲۱۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی نماز کی فراغت کے بعد فرمایا جس میں جہری قرأت کی گئی تھی۔ کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرارت کی ہے تو ایک آدمی نے کہا جی ہاں یارسول اللہ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اپنے جی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے تنازع اور منازعت ہو رہی ہے تو اس واقعہ کے بعد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری نماز میں قرارت کرنے سے رک گئے۔ جب سے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی۔

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ امام کو اقتدار کیلئے مقرر

لیؤتم بہ فاذا قرأ فانصتوا۔
(طحاوی شریف ۱/۱۲۸)

کیا گیا ہے۔ لہٰذا جب امام قرآت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

عن ابی ھریرۃ یقول صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ یظن انھا الصبح فلما قضاھا قال قرأ منکم احد قال رجل انا۔ قال انما اقول مالی انازع فی القرآن۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۵)

حضرت ابوہریرہؓ کی تیسری روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک نماز پڑھائی جس کے بارے میں یاد پڑتا ہے کہ فجر کی نماز ہے۔ جب نماز سے فراغت حاصل فرمائی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ہمارے پیچھے قرآت کی ہے؟ تو ایک آدمی نے عرض کیا کہ جی ہاں میں نے کی۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اپنے جی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت کی جا رہی ہے۔

صحابی ③ حضرت علیؓ

عن علیؓ قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

(۳) حضرت علیؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرآت کی ہے یقیناً اس نے فطرتِ اسلامی یعنی سنتِ رسولؐ کی مخالفت کی ہے۔

سری نماز میں قرارت کی ممانعت

صحابی ④ حضرت عمران بن حصینؓ

عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلی الظھر فلما اسلم قال ھل قرأ منکم احد بسبح اسم ربك الاعلی فقال رجل من القوم انا فقال قد علمت ان بعضکم خالجنیھا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶، السنن الکبریٰ للنسائی ۱/۳۱۸)

(۴) حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی سلام کے بعد فرمایا کیا تم میں سے کسی نے سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھی ہے؟ تو لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے؛ تو اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ یقیناً مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے بعض لوگوں نے مجھے قرارت کرنے میں خلجان میں ڈال دیا ہے۔ یہ ظہر کی سری نماز تھی جس میں مقتدی کو قرارت کرنے سے منع فرمایا۔

صحابی ⑤ حضرت جابر بن عبداللہؓ۔

عن جابر بن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من صلی رکعۃ فلم یقرأ فیہا بأم القرآن فلم یصل الا وراء الامام۔

(۵) حضرت جابرؓ حضورؐ سے بیان فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(موطا امام مالک / ۲۹ طحاوی ۱/ ۱۲۸)

صحابی ⑥ حضرت زید بن اسلمؓ۔

عن زید بن اسلم نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن القراءۃ خلف الامام۔

(۶) حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرارت کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

صحابی ⑦ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

عن ابی موسیٰ الاشعری (فی حدیث طویل) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا وفی روایۃ اخری واذا قرأ فانصتوا۔

(۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک طویل روایت میں ہے کہ حضورؐ نے خطبہ دیا تو اس میں حضورؐ نے ہمارے لئے سنتیں بیان فرمائیں اور ہم کو ہماری نماز سکھائی پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو صفوں کو سیدھی کرو۔ پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی امامت کرے پس جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو۔ اور دوسری روایت میں ہے اور جب امام قرارت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو۔

(مسلم شریف ۱/ ۱۷۴)

صحابی ⑧ حضرت انسؓ۔

عن انسؓ قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجہہ فقال اتقرءون والامام یقرء فسکتوا فسألہم

(۸) حضرت انسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے نماز پڑھائی پھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم قرارت کرتے ہو حالانکہ امام قرارت کرتا ہے پھر صحابہؓ نے خاموشی اختیار فرمائی

ثلاثاً فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا۔
(طحاوی شریف ۱/۱۲۸)

تین مرتبہ کہنے کے بعد صحابہؓ نے فرمایا جی ہاں قرأت کرتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو۔

صحابی ⑨ حضرت ابو الدرداءؓ۔

(۹) عن ابی الدرداء ان رجلاً قال یا رسول اللہ فی الصلوٰۃ قرآن قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت قال وقال ابو الدرداء اری ان الامام اذا ام القوم فقد کفاھم۔ (طحاوی شریف ۱/۱۲۹)

حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے ایک آدمی نے حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ نماز کے اندر قرآن ہے تو آپؐ نے فرمایا جی ہاں۔ تو انصار میں سے ایک آدمی نے کہا کہ قرأت واجب ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ امام جب قوم کی امامت کرے تو اس کی قرأت قوم کے لئے کافی ہے۔

صحابی ⑩ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔

(۱۰) عن نافع ان عبد اللہ بن عمر لا یقرء خلف الامام۔ (موطا امام مالک/۲۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے۔

صحابی ⑪ حضرت عبد اللہ بن شداد بن الہادؓ۔

(۱۱) عن عبد اللہ بن شداد بن الھاد قال ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العصر قال فقرء رجل خلفہ فغمزہ الذی یلیہ فلما ان صلی قال لم غمزتنی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدامک فکرھت ان تقرء خلفہ فسمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فان قراءتہ لہ قراءۃ۔
(موطا امام محمد/۱۰۰)

حضرت عبد اللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے عصر کی نماز میں امامت فرمائی تو آپؐ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی، تو بغل والے آدمی نے اُسے اشارہ فرمایا تو نماز سے فراغت کے بعد اُس نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں اشارہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ تمہاری امامت فرما رہے ہیں۔ پھر حضورؐ کے پیچھے تمہارا پڑھنا میں نے پسند نہیں کیا۔ تو حضورؐ نے اُن کی گفتگو سن کر فرمایا کہ جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت کیلئے کافی ہے۔

جہری اور سری دونوں نمازوں میں ممانعت

صحابی (۱۲) حضرت ابن عباسؓ

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکفیك قراءۃ الامام خافت اوجھر۔ (اخرجہ الدارقطنی بحوالہ عمدۃ القاری ۶/۱۲) عمدۃ القاری بیروتی ۴/۴۳۸)

(۱۲) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ امام کی قرأت تمہارے لئے کافی ہے۔ چاہے امام جہر کرتا ہو یا سر۔ دونوں صورتوں میں کافی ہے۔

صحابی (۱۳) عبداللہ بن بجینہؓ

عن عبداللہ بن بجینۃ وکان من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھل قرء احد منکم معی انفا قالوا نعم قال انی اقول مالی انازع القرآن فانتھی الناس عن القراءۃ معہ حین قال ذلك۔ (مسند امام احمد بن حنبل ۵/۳۴۵)

(۱۳) حضرت عبداللہ بن بجینہؓ سے مروی ہے جو حضورؐ کے اصحاب میں سے تھے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ابھی ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے تو لوگوں نے کہا جی ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ بے شک میں اپنے جی ہی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت کیا جا رہی ہے تو لوگ آپ کے پیچھے قرأت کرنے سے رُک گئے جس وقت آپ نے یہ بات کہی۔

صحابی (۱۴) حضرت عمر بن الخطابؓ

عن محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرء خلف الامام حجرا۔ (موطا امام محمد/۱۰۲)

(۱۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چاہیے کہ اس شخص کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا جائے جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔

صحابی (۱۵) حضرت زید بن ثابتؓ

عن موسی بن سعد بن زید بن ثابت

(۱۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

يحدّثه عن جده انه قال من قرأ خلف الإمام فلا صلوٰة له۔

جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(موطا امام محمد/۱۰۲ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۷۶)

صحابی (۱۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ۔

ان سعدًا قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة۔ (۱۶)

حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارا ٹھونس دیا جائے۔

(موطا امام محمد/۱۰۱)

خلفاءِ راشدینؓ کا فتویٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آپ کے سامنے ۱۶ صحابہؓ کے واسطے سے آچکا ہے کہ آپ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرارت کرنے سے ممانعت فرمائی۔ اور بعض روایات میں جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں قرارت کی ممانعت فرمائی ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ حضرات خلفاءِ راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی امام کے پیچھے مقتدی کو قرارت کرنے سے ممانعت فرمایا کرتے تھے۔ اور ماقبل میں صحابی ۲ے کے ذیل میں حضرت علیؓ کی ممانعت بھی آپ کے سامنے آچکی ہے۔ تو چاروں خلفاء راشدین کا فتویٰ بھی قرارت کی ممانعت کے ثبوت پر ہے۔ تو پھر کس کی ہمت ہے کہ انکی مخالفت میں آواز اٹھائے۔ خلفاءِ راشدین کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے

عن موسیٰ بن عقبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الامام.
(مصنف عبدالرزاق ۲/ ۱۳۹)

حضرت موسیٰ ابن عقبہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ یہ سب کے سب امام کے پیچھے قرارت کرنے سے مقتدی کو منع فرمایا کرتے تھے۔

روایات کا حاصل

اب آپ کے سامنے دونوں قسم کی روایات آچکیں۔ اوّل الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرارت کا حکم ہے۔ اور ان روایات کی تعداد صرف چار ہے۔ اور مؤخر الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرارت کی ممانعت ہے۔ اور ان روایات کی تعداد سولہ ہے۔ یعنی پہلی قسم کی روایات صرف چار صحابہ سے مروی ہیں جبکہ دوسری قسم کی روایات سولہ صحابہ سے مروی ہیں۔ اب دونوں قسم کی روایات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو بات واضح ہوجائے گی کہ چار وجوہات سے مقتدی کے قرارت نہ کرنے کی روایات کو ترجیح ہوتی ہے۔

① جن روایات میں فاتحہ خلف الامام کا ذکر ہے ان میں سے کسی میں بھی صاف الفاظ کے ساتھ آپ کا ارشاد اس طرح مروی نہیں ہے کہ تم امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو بلکہ مطلق اور مجمل الفاظ ہیں۔ جن سے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ جب تنہا نماز پڑھی جائے، یا خود امام بن کر نماز پڑھا رہا ہے تو قرارت لازم ہے۔ لہٰذا مقتدی اس حکم کا مخاطب ہی نہیں ہے۔

② دونوں قسم کی روایات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ امام کے پیچھے قرارت کرنے کی روایات سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ کے نزول سے پہلے کی ہیں، اس لئے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز میں سلام وکلام اور مقتدی کیلئے خود قرارت کرنا جائز تھا۔: دوسری قسم کی روایات سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ کے نزول کے بعد کی ہیں۔ لہٰذا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نماز میں سلام وکلام اور مقتدی کی قرارت وغیرہ سب باتیں منسوخ ہوچکیں۔ لہٰذا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی روایات اگرچہ صحیح سند سے ثابت ہیں۔ مگر پھر بھی اس آیت کریمہ

کے نزول کے بعد منسوخ ہوچکی ہیں۔ ایسی صورت میں دونوں قسم کی روایات کا صحیح محمل سامنے آجاتا ہے، ورنہ تو لازمی طور پر کہنا پڑیگا کہ ایک قسم کی روایات غلط اور جھوٹ ہیں اور دوسری قسم کی روایات صحیح ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

③ پہلی قسم کی روایات کا منسوخ ہونا دوسری قسم کی روایات سے صاف واضح ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پہلی قسم کی روایات جس میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور پھر حضرت ابن عباسؓ کی روایات صاف الفاظ کے ساتھ ہے کہ امام کی قرارت تم کو کافی ہے۔ خواہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا آہستہ۔ بہر صورت تم کو امام کی قرارت کافی ہوجائے گی۔ نیز حضرت جابرؓ، حضرت ابوالدرداء، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن شدادؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ ان تمام صحابہ کی روایات میں صاف الفاظ کے ساتھ اس بات کا ذکر ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرارت مشروع نہیں ہے۔ بلکہ مقتدی کے لئے امام کی قرارت کافی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے امام کے پیچھے قرارت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ایسے مقتدی کے منہ میں پتھر ڈال دو تاکہ منہ ہی نہ ہلا سکے۔ اور حضرت زید بن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے اس کے منہ میں انگارہ ڈال دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس قسم کی روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی کیلئے امام کے پیچھے قرارت کرنا جائز نہیں۔

④ نماز میں سکون خشوع مقصود ہے۔ لہٰذا جب مقتدی بھی امام کے پیچھے قرارت کرنے لگیں گے تو کسی کو بھی خشوع اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا، ایک عجیب قسم کا ہنگامہ ہوگا۔ اور اگر سب آہستہ بھی پڑھ لیں تب بھی بڑے مجمع میں کسی کو نماز میں سکون و

خشوع حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان تمام دلائل سے امام کے پیچھے قرات نہ کرنے کی روایت کا راجح ہونا ثابت ہوا۔ نیز قرات نہ کرنے کی روایات کو نقل کرنے والے سولہ صحابہ ہیں۔ ان میں سے اکثر اجلہ صحابہ اور فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہم مشہور ترین فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔

اسکے برخلاف امام کے پیچھے قرات کرنیوالے صحابہ میں سے کسی کی بھی فقاہت مشہور نہیں ہے۔ اسلئے حنفیہ پر امام کے پیچھے قرات سے متعلق مسلسل چار اعتراضات کا کیا مقصد اور کیا حاصل ہے ؟ بلاوجہ مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کے لئے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑگئے۔ اور اُردو ترجموں میں سے اپنے مطلب کی عبارتیں دکھا کر خالی الذہن مسلمانوں کو شبہات میں مبتلا کرتے ہو۔ کیا یہی تمہارا دین ہے؟ کیا یہی تمہاری عبادت ہے۔؟

آمین بالجہر یا بالسر! مسئلہ آمین بالجہر سے متعلق غیر مقلدین نے در مختار کے حوالہ سے دو اعتراض نقل کرکے حنفیہ پر اشکال قائم کیا ہے۔

① **(اعتراض ۳۰)** "مقتدی امام کی آمین سُن کر آمین کہے۔" (بحوالہ درمختار ۱/ ۲۲۹)

حوالہ اور مسئلہ دونوں غلط ہیں۔ در مختار میں کہیں بھی ایسی عبارت نہیں ہے۔ جس میں مقتدی کو یہ حکم کیا گیا ہو کہ امام کی آمین سُنکر آمین کہے۔ بلکہ در مختار کا ترجمہ جس سے معترض نے اعتراض نقل کیا ہے اس میں بھی اس کے برعکس لکھا ہے۔

② **(اعتراض ۳۱)** ۰ ایک دو آدمیوں نے سُنا تو جہر نہ ہوگا۔ جہر جب ہے کہ سب سُنیں۔ (بحوالہ درمختار ۱/ ۲۲۹)

یہ حوالہ بھی غلط ہے۔ در مختار میں مسئلہ آمین سے متعلق دُور دُور تک آمین کو جہر کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور قرات بالجہر کی بحث میں اپنی جگہ جہر کی تعریف موجود ہے۔

جس کا مسئلہ آمین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ درمختار میں اس طرح کا مسئلہ موجود ہے کہ امام آہستہ سے آمین کہے۔ جیسا کہ مقتدی اور منفرد آہستہ سے آمین کہتے ہیں۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

والامام سرًّا کما موم ومنفرد (درمختار کراچی ۱/۵۰۵، درمختار زکریا ۱۹۵)

منفرد اور مقتدی کی طرح امام بھی آہستہ سے آمین کہے۔ اور دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے۔ اذا قال الامام ولا الضآلین فقولوا آمین (درمختار کراچی ۱/۵۰۵، درمختار زکریا ۱۹۶/۲) جب امام ولا الضآلین کہے تو تم آمین کہو۔

اس میں غیر مقلد نے ایسا جھوٹا الزام حنفیہ اور ان کی کتابوں پر لگایا ہے جو انکی کتابوں میں کہیں بھی نہیں ہے۔ جس سے خالی الذہن مسلمانوں کو اضطراب پیدا ہوسکتا ہے۔

ان غیر مقلدین کی بددینی کا اندازہ ناظرین خود کرسکتے ہیں۔ اور پھر ان غلط الزامات کا اشتہار حرمین شریفین میں تقسیم کرکے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اللہ کے یہاں اس کا فیصلہ ہوگا۔

حدیث شریف سے مسئلہ آمین کا جائزہ

اب یہاں سے یہ بات بھی واضح کردی جاتی ہے کہ احادیث شریفہ میں آمین کو جہر سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا سرًّا۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ بعض روایات کے اندر جہرًا آمین کہنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور بعض روایات میں سرًّا اور آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے۔ لہٰذا آپ کے سامنے دونوں طرح کی روایات پیش کرتے ہیں۔

آمین بالجہر کی روایت

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد و
عبد الرحمن بن مهدي قالا نا سفيان
عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن
وائل بن حجر قال سمعت النبي صلى الله
عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا
الضالين وقال آمين ومدّ بها صوته،
وفي رواية ابي داؤد رفع بها صوته۔
(ترمذی شریف ۱/۵۷،
ابوداؤد شریف ۱/۱۳۴، المعجم الکبیر ۲۲/۲۲ تا ۲۳ و ۲۲/۴۵)

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ آپ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ کرکے آمین کہا اور آمین کے ساتھ آواز کو کھینچا۔ اور ابوداؤد کی روایت میں آواز کو بلند کرنے کی صراحت ہے۔

آمین بالسر کی روایت

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد
وعبد الرحمن بن مهدي قالا نا شعبة
عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن
علقمة بن وائل عن ابيه عن النبي صلى
الله عَلَيهِ وَسَلم قرأ غير المغضوب عليهم
ولا الضآلين قال آمين وخفض بها
صوته۔
(ترمذی شریف ۱/۵۸، المعجم الکبیر ۲۲/۴۵)

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھنے کے بعد آمین کہا۔ اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بالکل آہستہ اور پست فرمایا۔

دونوں قسم کی روایات کا جائزہ

اب آمین کے بارے میں صرف ایک صحابی یعنی حضرت وائل بن حجرؓ سے واضح الفاظ کے ساتھ روایات ہمارے سامنے ہیں[1] پہلی قسم کی روایت میں "ومدّ بہا صوتہ" کے الفاظ ہیں جس میں آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے۔ جہر کا ذکر نہیں، اسلئے آواز کا کھینچنا جہرًا اور سرًّا دونوں میں ہوسکتا ہے۔ جب دونوں میں ہو سکتا ہے تو جہر کا امکان ہے۔ یقین نہیں[2] اور دوسری قسم کی روایت میں "وخفض بہا صوتہ" کے الفاظ ہیں۔ اور خفض کے معنی آواز پست کرنا اور بالکل آہستہ کرنے کے ہیں۔ تو اس قسم کی روایات

---

[1] اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت واضح الفاظ کے ساتھ ابوداؤد ۱/۱۳۵ اور سنن ابن ماجہ ۱/۱۶ میں بشر ابن رافع کے طریق سے موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بشر بن رافع ضعیف ہے۔ دیکھئے بشر بن رافع الحارثی النجرانی فقیہ ضعیف الحدیث من السابعۃ (تقریب التہذیب/۱۶۹، بذل المجہود ۲/۱۰۴)

[2] اگر کوئی یہ کہے کہ ابوداؤد ۱/۱۳۵ میں علی بن صالح کے طریق سے فجہر بآمین کے الفاظ کے ساتھ اور سفیان بن ثوری کے طریق سے ورفع بہا صوتہ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین نے علی بن صالح کے بارے میں کلام فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد کو شبہ ہوگیا ہے کہ یہ علی بن صالح ہے یا علاء بن صالح تیمی۔ انہوں نے علاء بن صالح کو علی بن صالح سمجھ لیا ہے۔ اور سفیان ثوری کی روایت جس میں "رفع بہا صوتہ" کے الفاظ ہیں اس کی سند اس طرح ہے۔ سفیان عن سلمۃ عن حجر ابی العنبس الحضرمی عن وائل بن حجر، ابوداؤد ۱/۱۳۴، ۱/۸۵ اور حجر ابی العنبس کے الفاظ کے ساتھ سند بیان کرنے کی وجہ سے امام ترمذی نے ترمذی شریف پر بہت سخت کلام فرمایا ہے۔ اور وہی سب باتیں امام سفیان ثوری پر عائد ہوجاتی ہیں۔ اسی وجہ سے "رفع بہا صوتہ" کے الفاظ کے ساتھ امام ترمذی نے سفیان کی روایت کو نقل نہیں فرمایا۔ اس لئے سفیان ثوری کی اس روایت کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔

میں صرف آواز کو سرّا اور آہستہ کرنے سے متعلق واضح الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ میں جہر کا کوئی امکان اور شبہ نہیں ہے۔ اور وائل بن حجر کے علاوہ دیگر صحابہؓ سے مطلقاً آمین کہنے کی روایات مروی ہیں۔ اور سر اور جہر سے متعلق واضح الفاظ نہیں ہیں۔ اسلئے مسئلہ آمین جہری یا سری کے متعلق صرف حضرت وائل ابن حجر کی روایت موضوعِ بحث ہے۔ ان کی روایت میں آمین بالجہر سے متعلق جو الفاظ ہیں وہ حضرت سفیان ثوریؒ کی سند سے مروی ہیں۔

مگر الفاظ میں سر کا بھی احتمال ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور حضرت وائل ابن حجر کی وہ روایت جس میں واضح الفاظ کے ساتھ آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے۔ وہ شعبہ بن حجاج کی سند سے مروی ہے۔ اور امام سفیان ثوری اور امام شعبہ بن حجاج دونوں ثقہ اور مضبوط راوی ہیں جبکہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں حضرات حفاظِ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں۔ اسلئے دونوں کی روایت صحیح اور معتبر ہیں لیکن حدیث کے متن میں حضرت سفیان ثوری کی روایت میں صرف آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے۔ جسکا تعلق جہر اور سر دونوں سے ہو سکتا ہے۔ اسلئے دونوں احتمال ہیں۔ حضرت شعبہ بن حجاج کی روایت میں واضح لفظوں میں آواز کو آہستہ اور پست کرنیکا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آواز پست کرنیوالی روایت کو ترجیح دیکر فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا مسنون اور افضل ہے۔

امام ترمذیؒ کے کلام کا منصفانہ جواب

حضرت امام ترمذی نے شعبہ کی روایت جس میں آمین بالسر کا ذکر ہے اس کی سند میں صرف اس وجہ سے کمزوری ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ امام شعبہ نے سلمہ بن کہیل کے استاد کا نام ان الفاظ سے لیا ہے حجر ابی العنبس۔ اور ہونا چاہئے تھا حجر بن العنبس، جس کی تفصیل ترمذی ۱/۵۸ میں ہے۔

تو ہم اس کا منصفانہ جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر شعبہ کی طرف سے خطاء اور شبہ کو امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے کئی انداز سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے تو خطاء اور شبہ کی جو علت امام ترمذی نے بیان فرمائی ہے وہ خود امام سفیان ثوری میں بھی بدرجۂ اتم اس روایت کی وجہ سے موجود ہے۔ جو ابو داؤد ۱/۱۳۴ میں ورفع بہا صوتہ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ دیکھئے سفیان عن سلمۃ عن حجر ابی العنبس الحضرمی تو جو اشکال شعبہ پر ہوگا وہی سفیان پر بھی اسی انداز سے ہوگا۔ نیز خود سفیان ثوری نے امام شعبہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عراق کے اندر سب سے پہلے فنِ رجال میں تحقیق وجستجو کرنے والے امام شعبہ بن حجاج ہی تھے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

شعبة بن الحجاج بن الورد العتكي مولاهم ابو بسطام الواسطي ثم البصري ثقة حافظ متقن كان الثوري يقول هو امير المؤمنين في الحديث وهو اول من فتش بالعراق عن الرجال وذب عن السنة وكان عابدًا من السابعة مات سنة ستين۔ (تقریب التہذیب / ۲۳۶)

حضرت امام شعبہ بن حجاج العتکی الواسطی البصری ثقہ حافظ اور متقن ہیں۔ امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ اور انہوں نے سب سے پہلے عراق کے اندر فنِ حدیث کے رجال کے بارے میں تفتیش اور تحقیق کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ اور حدیثِ رسولؐ سے مشتبہ راویوں کو الگ فرمایا تھا۔ اور وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عابد بھی تھے۔ اور رجال کے ساتویں طبقہ کے بڑے محدث تھے۔ ۱۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اور اس کے برخلاف امام سفیان ثوری بھی اگرچہ اپنی جگہ ثقہ اور معتبر ہیں۔ لیکن ان کے اوپر باتفاقِ محدثین تدلیس کا الزام ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سفيان بن سعيد بن مسروق الثوري ابو عبد الله الكوفي ثقة حافظ فقيه

حضرت سفیان بن سعید بن مسروق ثوری ابو عبداللہ کوفی ثقہ حافظ فقیہ عابد ائمہ حدیث میں سے ہیں اور رجال کے

عابدٌ امامٌ حجۃٌ من رُؤوسِ الطبقۃ السابعۃ وکان ربما دلّس مات سنۃ احدٰی وستّین ولہٗ اربع وستون۔

ساتویں طبقہ کے شروع کے راویوں میں سے ہیں اور بسا اوقات تدلیس کیا کرتے تھے۔ اور ۱۶۱ھ میں اُن کی وفات ہوئی اور ۶۴ سال اُن کی عمر ہوئی۔

(تقریب التہذیب راوی ۲۴۵۸ - ۳۹۴)

اب یہ بات ہمارے سامنے واضح ہوکر آئی کہ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے شعبہ جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث کے اندر خامیاں نکال کر ان کی روایت کو کمزور کرنے کی کوشش فرمائی، جبکہ امام شعبہ میں ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی بھی امام ومحدث نے کسی قسم کی خامی نہیں نکالی ۔ ہاں امام ترمذی نے اپنے مسلک کے خلاف ہونے کی وجہ سے امام شعبہ میں وہ خامیاں نکالی ہیں جو ترمذی شریف کی عبارت میں موجود ہیں ۔ حالانکہ وہ ساری خامیاں سفیان پر بروایت ابوداؤد لازم آتی ہیں ۔ نیز امام سفیان ثوری پر ائمہ جرح وتعدیل نے تدلیس کا الزام بھی لگایا ہے، اسلئے شعبہ کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو ترجیح دینا انصاف کی بات نہ ہوگی۔ نیز امام شعبہ کی روایت دوسری بہت سی روایات کے موافق ہے ۔ اور مقتدی کی صلوٰۃ کے بھی موافق ہے کہ نماز کے اندر مقتدیوں کو سکون اور سکوت کا حکم دیا گیا ہے، اور جہراً آمین کہنے کی صورت میں پوری مسجد کے اندر زبردست شور وغل ہوجاتا ہے۔

راوی کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا

ناظرین سے اور خاص طور پر غیر مقلدین سے گذارش ہے کہ اس بات کو خصوصیت کے ساتھ نوٹ کریں کہ امام شعبہ ابن حجاج پر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے جو خطاء اور شبہ کو ثابت کرنے کے لئے کلام فرمایا ہے اس کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ امام شعبہ بن حجاج اور امام سفیان ثوری دونوں امام ابوحنیفہؒ کے بعد کے محدثین میں سے ہیں۔ چنانچہ امام سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ سے ۱۷ سال چھوٹے ہیں۔

اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اور امام سفیان ثوری کی پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اور حضرت امام شعبہ بن حجاج کی پیدائش بقول ابن حبان ۸۳ھ اور وفات امام ابوحنیفہؒ کے دس سال کے بعد ۱۶۰ھ میں ہوئی۔ پوری تفصیل تہذیب التہذیب ۴/ ۳۴۵ پر موجود ہے۔

تو معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوریؒ اور امام شعبہؒ دونوں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کو شعبہ سے حدیث حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں براہِ راست بھی سنی ہیں۔ تو اگر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے سلسلۂ سند میں امام شعبہ پر کلام کیا ہے تو اس کا امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت آمین بالسر کی حدیث سے جس زمانہ میں استدلال فرمایا ہے اس وقت روایت کی سند میں امام شعبہ نہیں تھے۔ بلکہ امام شعبہ تو امام ابوحنیفہؒ کے بعد سلسلۂ سند میں داخل ہوتے۔ لہٰذا شعبہ کی روایت کو اگر بقول امام ترمذی متکلم فیہ اور ضعیف قرار دیا جائے تو ان لوگوں کے حق میں ضعیف ہوسکتی ہے جو امام شعبہ کے زمانہ کے بعد کے ہیں۔ جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے امام شعبہ کے بعد ان روایات سے استدلال فرمایا۔ لہٰذا روایت کے ضعف کا اثر امام صاحب پر نہیں پڑتا۔ بلکہ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور ان جیسے بعد کے لوگوں پر پڑسکتا ہے اسلئے اس روایت کو ضعیف قرار دیکر حنفیہ کے مذہب پر الزام قائم کرنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لئے یہ حدیث ضعیف نہیں۔ بلکہ صحیح ہے۔ ہاں البتہ بعد والوں کے لئے ضعیف یا متکلم فیہ ہوسکتی ہے۔ ورنہ تو ایسا ہوگا جیسا کہ بہتی نہر کے کچھ نیچے کی طرف جاکر مُردار پڑا ہوا ہو، اور پھر مُردار کے نیچے کی طرف سے کچھ لوگوں نے پانی پیتے ہوئے بَدبو محسوس کرکے کہدیا کہ اس نہر کے اُوپر سے نیچے تک ہر طرف کا پانی بَدبو دار ہے۔ حالانکہ جہاں مُردار پڑا ہوا ہے صرف وہاں سے نیچے کی طرف بَدبو دار ہے۔ اس سے اُوپر بَدبو

کا اثر قطعاً نہیں ہے۔ لہٰذا نیچے والے کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کو اُوپر والے کے بارے میں واقفیت نہیں ہے پھر بھی بلاتحقیق ان کے اُوپر بدبودار پانی پینے کا حکم لگا رہے ہیں، جو شرعاً وعرفاً اور رقاً تو نا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور ہمارے کرم فرما غیر مقلدین حضرات بھی ان روایات اور مسائل کے بارے میں ایسے ہی بلاتحقیق الزامات لگا رہے ہیں۔ جو کسی طرح روا نہیں ہیں۔

اللہ اکبر کبیرًا والحمدُ للہِ کثیرًا وسُبحانَ اللہِ بُکرۃً وَّاَصِیلًا۔

---

۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ کو اضافہ کیا گیا۔

مسئلہ رفعِ یدین

غیر مقلدین کی طرف سے رفعِ یدین سے متعلق مسلسل چار نمبرات قائم کر کے حنفی مسلک پر الزام قائم کیا گیا ہے۔

(اعتراض ۳۲) "رفع یدین قبل الرکوع و بعد الرکوع کی احادیث کی تصدیق" (بحوالہ ہدایہ ۱/۲۸۴، شرح وقایہ ۱۰۲)

ہدایہ اور شرح وقایہ کا حوالہ غلط ہے۔ ہاں البتہ حاشیہ میں یہ بات موجود ہے کہ رفعِ یدین کے ثبوت اور اسکے عدمِ ثبوت دونوں طرف کی روایات احادیث شریفہ سے ثابت ہیں۔

(اعتراض ۳۳) "رفعِ یدین کو اکثر فقہاء و محدثین سنت ثابت کرتے ہیں؟" (بحوالہ مالابد منہ ۲۷)

یہ بات صحیح ہے کہ فقہاء میں سے جو لوگ رفعِ یدین کے قائل ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اور جو لوگ رفعِ یدین کو مسنون نہیں کہتے ان کی تعداد بھی کم نہیں۔ چنانچہ خلفاءِ راشدین اور عشرۂ مبشرہ عبداللہ بن مسعودؓ، امام ابو حنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ اور عاصم بن کلیبؒ وغیرہ یہ سب رفعِ یدین کے مسنون نہ ہونے کے قائل ہیں۔ (اوجز المسالک ۱/۲۰۳، فتح الملہم ۲/۱۱، بذل المجہود ۱/۱۳۳، نیل الاوطار ۲/۶۹ معارف السنن ۲/۴۵۳، امانی الاحبار ۲/۱۹۰، ۱۹۲)

(اعتراض ۳۴) "حق یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رفعِ یدین صحیح ثابت ہے؟" (بحوالہ ۱/۳۸۶)

یہاں بھی ہدایہ کا حوالہ غلط ہے۔ ہدایہ میں ایسی کوئی عبارت نہیں۔ ہاں البتہ حاشیہ میں وہی بات ہے کہ رفع یدین کے ثبوت و عدمِ ثبوت دونوں حدیثِ رسول اللہ ؐ سے ثابت ہیں۔

اعتراض ۳۵ - یہی رفع یدین والی آپؐ کی نماز رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی۔ (بحوالہ ہدایہ ۱/۳۸۶)

یہ حوالہ بھی سراسر غلط ہے۔ نہ ہدایہ کے متن میں کوئی ایسی بات ہے اور نہ ہی حاشیہ میں۔ ہاں البتہ امام ابوبکر بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جس میں رفعِ یدین کا ثبوت ہے اس کو نقل فرمایا۔ اور نقل فرمانے کے بعد متن میں اتنا اضافہ کیا۔

• فما زالت تلك صلوته حتى لقى الله -

یہ اضافہ حضرت ابن عمرؓ سے صحیح اور مشہور روایات میں ثابت نہیں۔ بلکہ یہ اضافہ غلط ہے۔ اور عین الہدایہ ۱/۳۸۶۔ جہاں سے معترض نے اعتراض نقل فرمایا ہے وہاں پر بھی اس کی تردید کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ رفعِ یدین پر عمل نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اگر حضرت ابن عمرؓ سے یہ آخری ٹکڑا واقعی طور پر ثابت ہے کہ حضورؐ وفات تک رفعِ یدین فرماتے رہے، پھر صحیح سند سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ خود رفعِ یدین نہیں کرتے تھے، تو کیا ابن عمرؓ کے بارے میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف عمل کرتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ عامل بالسنۃ تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو اپنی زندگی کے لئے نصب العین بنا رکھا تھا۔ اس لئے یہ اضافہ غلط ہے۔

وهذا غلط فانه قال الشيخ النيموى فى آثار السنن وهو حديث ضعيف بل موضوع -

(بذل المجہود ۲/۲)

رفعِ یدین کے بارے میں تحقیقی جائزہ

تکبیر تحریمہ کے وقت رفعِ یدین کرنا سب کے نزدیک جائز اور مسنون ہے۔ اختلاف اس بارے میں ہے کہ بوقت تکبیرِ رکوع و تکبیرِ سجود و تکبیرِ قیام رفعِ یدین جائز ہے یا نہیں؟ تو رفعِ یدین کے ثبوت اور عدمِ ثبوت دونوں طرف کی روایات احادیث شریفہ میں موجود ہیں اور روایات دونوں طرف ہونے کی وجہ سے ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت ثبوت کی روایات کی وجہ سے تکبیراتِ انتقالیہ کے وقت رفعِ یدین کو مسنون کہتی ہے —— اور دوسری جماعت عدمِ ثبوت کی روایات کی وجہ سے رفعِ یدین کو مسنون نہیں کہتی۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں غور کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل شروع شروع میں رفعِ یدین کا رہا ہے۔ اور جن صحابہ نے رفعِ یدین کی روایات نقل فرمائی ہیں وہ شروع کے اعمال کے اعتبار سے ہیں۔ اور جن صحابہ سے رفعِ یدین نہ کرنے کی روایات ہیں وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے اعتبار سے ہے اس لئے دونوں قسم کی روایات کو صحیح کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ثابت کی جاتی ہے کہ رفعِ یدین کی روایات منسوخ ہیں اور رفعِ یدین نہ کرنے کی روایات ناسخ ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے اوّلاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان روایات کا جائزہ بھی آپ کے سامنے انشاء اللہ پیش کریں گے۔

ثبوتِ رفعِ یدین کی روایات

رفعِ یدین کے ثبوت میں تقریباً آٹھ روایات ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

① عن علی بن ابی طالبؓ عن رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ علیہِ وَسَلَّم انہٗ قامَ اِلی　　(۱) حضرت علیؓ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرض نماز کیلئے کھڑے ہوگئے تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں

الصّلوٰۃ المکتوبۃ کبّر ورفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذٰلک اذا قضی قراء تہٗ اذا اراد ان یرکع ویضعہٗ اذا فرغ ورفع من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیء من صلوٰتہٖ وھو قاعد واذا قام من السّجدتین رفع یدیہ کذٰلک وکبّر۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۱)

ہاتھوں کو دونوں مونڈھوں کے برابر اُٹھایا اور ایسے ہی عمل کرتے رہے جب قرارت سے فارغ ہوکر رکوع کا ارادہ کرتے، اور یہی کہتے جب رکوع سے فارغ ہوکر قومہ کیلئے کھڑے ہوجاتے اور دونوں ہاتھوں کو قعدہ کی حالت میں نہیں اُٹھاتے تھے۔ اور دونوں سجدوں سے جب کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

(۲) عن سالمٍ عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصّلوٰۃ یرفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعدما یرفع ولا یرفع بین السجدتین۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۱، ابن ماجہ ۶۲، ترمذی ۱/۵۹، ابوداؤد ۱/۱۰۴، بخاری ۱/۱۰۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اور آپؐ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے کھڑے ہوجانے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ اور دونوں سجدے کے درمیان میں نہیں اٹھاتے تھے۔

(۳) عن ابی حمید السّاعدی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصّلوٰۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم یکبّر ثم یقرأ ثم یکبّر فیرفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم یرکع ثم یرفع رأسہٗ فیقول

(۳) حضرت ابوحمید ساعدی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب نماز کیلئے کھڑے ہوجاتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاتے تھے پھر تکبیر کہتے پھر قرارت فرماتے پھر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاکر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاتے۔ پھر اپنا سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے پھر

سمع الله لمن حمده ثم يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ثم يقول الله اكبر يهوي الى الارض فاذا قام من الركعتين كبّر ورفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ثم صنع مثل ذٰلك في بقية صلوته قال: فقالوا جميعًا صدقت هٰكذا كان يصلّي۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۱)

دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدے کو جاتے۔ پھر جب کھڑے ہو جاتے دونوں سجدوں سے تو تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے۔ پھر بقیہ نماز میں ایسا ہی کرتے تھے۔ تو حاضرین نے کہا کہ آپ نے سچ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

(۴) عن وائل بن حجر قال: رأيتُ رسُوْل الله صلى الله عليه وسلم حين يكبّر للصلوٰة وحين يركع وحين يرفع رأسهٗ من الركوع يرفع يديه حيال اذنيه۔ طحاوی شریف ۱/۱۳۱)

(۴) حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا جس وقت آپ نماز کیلئے تکبیر کررہے تھے اور جس وقت آپ رکوع فرمارہے تھے اور جس وقت آپ رکوع سے سر اٹھارہے تھے۔ دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں تک اٹھاتے ہوئے۔

(۵) عن مالك بن الحويرث قال: رأيت رسُوْل الله صلى الله عليه وسلم اذا ركع واذا رفع رأسهٗ من ركوعه رفع يديه حتى يحاذي بهما فوق أذنيه۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۱، ابن ماجہ ۶۲ بالفاظ مختلفہ، مسلم ۱/۱۶۸)

(۵) حضرت مالک ابن حویرثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ رکوع فرماتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے اوپر تک اٹھاتے ہوئے۔

(۶) عن ابي هريرة انّ رسُوْل الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور

اذا افتتح الصلوٰۃ وحین یرکع وحین یسجد۔ (ابن ماجہ ۶۲)

جس وقت رکوع فرماتے اور جس وقت سجدہ کو جاتے۔

⑦ عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ عند کل تکبیرۃ۔ (ابن ماجہ ۶۲)

(۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔

⑧ عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ اذا دخل فی الصلوٰۃ و اذا رکع۔ (ابن ماجہ ۶۲)

(۸) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے جب نماز میں داخل ہوتے اور جب رکوع میں جاتے۔

عدمِ رفع یدین کی روایات

رفع یدین کی ممانعت یا اس کی روایات کے منسوخ ہونے سے متعلق چودہ۱۴ روایات پیش کی جارہی ہیں۔ انشاء اللہ ان روایات کے پڑھنے کے بعد ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ رفع یدین مسنون نہیں ہے۔

(۱) عن البراء بن عازبؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر لافتتاح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یکون ابھاماہ قریبا من شحمتی اذنیہ ثم لا یعود۔ (طحاوی شریف ۱/۱۳۲، ابوداؤد شریف ۱/۱۰۹، دار قطنی ۱/۱۱۰)

(۱) حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب نماز شروع کرنے کیلئے تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے قریب ہوجاتے پھر اس کے بعد پوری نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(۲) حدثنا اسحاق، حدثنا ابن ادریس قال: سمعت یزید بن ابی زیاد عن ابن ابی لیلیٰ عن البراء قال: رأیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رفع یَدَیْہِ حین استقبل الصَّلٰوۃ حتی رأیتُ ابھامیہ قریبًا من اُذنیہ ثم لم یرفعھما۔ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی ۱۵۳/۲، حدیث ۱۶۸۸۔)

(۲) حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جس وقت نماز شروع فرمائی تھی حتی کہ میں نے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کو دونوں کانوں کے قریب پہنچایا۔ اسکے بعد پھر اخیر نماز تک دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

(۳) عن علقمۃ عن عَبْدُ اللّٰہ بن مسعودؓ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسَلم انہ کان یرفع یَدَیْہِ فی اوّل تکبیرۃ ثم لا یعود۔ (طحاوی شریف ۱/۱۳۲)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صرف شروع کی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر اس کے بعد اخیر نماز تک نہیں اٹھاتے تھے۔

(۴) عن المغیرۃ قال قلت لابراھیم حدیث وائل انہ رأی النبی صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وسَلم یرفع یدیہ اذا افتتح الصَّلٰوۃ واذا رکع واذا رفع رأسَہٗ من الرکوع فقال: ان کان وائل رآہ مرّۃ یفعل ذٰلک فقد رآہ عَبْدُ اللّٰہ خمسین مرّۃ لا یفعل ذٰلک۔ (طحاوی شریف ۱/۱۳۲)

(۴) مغیرہؒ نے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث ذکر فرمائی کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس پر ابراہیم نخعی نے مغیرہ سے کہا کہ اگر وائل بن حجر نے حضورؐ کو اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۵) عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ۔
(مسلم شریف ۱/۱۸۱، ابوداؤد شریف ۱/۱۴۳، نسائی شریف، مطبوعہ اشرفی ۱/۱۳۳)

(۵) حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہماری طرف تشریف لاکر فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا کہ میں تم لوگوں کو نماز کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا کہ ایسا لگتا ہے کہ جیسا کہ بے چینی میں اونٹ اپنی دُم کو اوپر اٹھا اٹھا کر ہلاتے ہیں۔ تم نماز کے اندر۔ ایسا ہرگز مت کیا کرو۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۶) عن علقمة قال قال عبد اللہ ابن مسعودؓ الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ۔
(ترمذی شریف ۱/۵۹، ابوداود شریف ۱/۱۰۹)

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم آگاہ ہو جاؤ بے شک میں تم کو حضورؐ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں۔ یہ کہکر نماز پڑھائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف اول تکبیر میں اٹھایا پھر پوری نماز میں نہیں اٹھایا۔

(۷) عن علقمة عن عبد اللہ قال الا اخبرکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد۔
(نسائی شریف ۱/۱۱۷ مطبوعہ اشرفی)
(سنن الکبریٰ ۱/۳۵۱)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں حضورؐ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں یہ کہکر نماز کیلئے کھڑے ہوگئے اسکے بعد صرف اول تکبیر میں ہاتھ اٹھایا پھر کسی تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھایا۔

(۸) عن علقمة قال قال عبد اللہ ابن مسعودؓ لاصلین بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ۔

(۸) حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ بے شک میں تمہیں حضورؐ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں یہ کہکر نماز پڑھی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف ایک مرتبہ اٹھایا پھر نہیں اٹھایا۔

(سنن کبریٰ ۲/۷۸)

قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعودؓ حدیث حسن و به یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبیؐ والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفة۔

(ترمذی شریف ۱/۵۹ ابوداؤد شریف ۱/۱۰۹)
(و محرابن حزم (بذل المجہود مطبع لکھنو)
(۱۱/۴، مطبع سہارنپور ۵/۲)

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور صحابہؓ تابعین تبع تابعین اور بے شمار محدثین اور علماء نے اس حدیث شریف کو اختیار فرمایا ہے اور یہی امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ نے کہا ہے۔ اور علامہ ابن حزم ظاہری نے اس حدیث شریف کو صحیح قرار دیا ہے۔

⑨ عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ قال صلیت خلف النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ فلم یرفعوا ایدیهم الا عند افتتاح الصلوٰة

(سنن الکبریٰ بیہقی ۲/۸۰ ۲/۷۹)

(۹) حضرت علقمہ عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کے پیچھے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اُن میں سے کسی نے اپنے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اُٹھایا۔

⑩ عن مقسم عن ابن عباسؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن حین یفتتح الصلوٰة وحین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت وحین یقوم علی الصفا وحین یقوم علی المروة وحین یقف مع الناس عشیة عرفة وبجمع والمقامین حین یرمی الجمرة

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضورؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنے ہاتھوں کو سات مواقع کے علاوہ مت اٹھایا کرو (۱) صرف نماز شروع کرتے وقت پھر نہیں اٹھانا (۲) مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت جب بیت اللہ کی طرف دیکھیں (۳) صفا پر چڑھتے ہیں۔ (۴) مروہ پر چڑھتے ہیں (۵) میدان عرفات میں لوگوں کے ساتھ وقوف کرنے میں (۶) مزدلفہ میں وقوف کے وقت (۷) جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے مقام پر۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۲۵ ، مجمع الزوائد ۲/۱۰۳)

⑪ عن ابراهيم عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في اوّل تكبيرة ثم لا يعود قال ورأيت ابراهيم والشعبي يفعلان ذلك۔

(طحاوی شریف ۱/۱۳۳)

(۱۱) امام نخعیؒ اسود بن یزیدؒ سے نقل فرماتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں صرف شروع کی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اسکے بعد کبھی بھی ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اور دیکھنے میں آیا کہ ابراہیم اور عامر شعبی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

⑫ عن عاصم بن كليب الجرمي عن ابيه قال رأيت على بن ابى طالب رفع يَدَيْهِ في التكبيرة الاولى من الصَّلوٰة المكتوبة ولم يرفعهما فيما سوى ذلك۔

(موطا امام محمد/۹۳)

(۱۲) عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب جرمی سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ فرض نماز میں صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اسکے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

⑬ عن عبد العزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء اُذُنيه في اوّلِ تكبيرة افتتاح الصَّلوٰة ولم يرفعهما فيما سِوٰى ذلك۔

(موطا امام محمد/۹۳)

(۱۳) حضرت عبدالعزیز ابن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کو نماز شروع کرتے وقت صرف اوّل تکبیر میں اٹھاتے تھے اور دونوں ہاتھوں کو اسکے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے۔

⑭ عن مجاهد قال صَلّيت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يَديهِ الَّا فِي التكبيرة الاولى من الصَّلوٰة فهذا ابن عمرؓ قال رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع وقد ترك هو الرفع بعد النبي

(۱۴) حضرت امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ دونوں ہاتھوں کو نماز کی صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے تھے۔ اسکے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے تو یہ حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ جنہوں نے حضورؐ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور پھر

صلی اللہ علیہ وسلم فلا یکون ذٰلك الا وقد ثبت عندہ نسخ ما قد رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعله وقامت الحجة علیه بذلك۔
(طحاوی شریف ۱/۱۳۳)

انہوں نے خود حضورؐ کے زمانہ کے بعد ہاتھ اٹھانا ترک کردیا۔ اور ان کا ہاتھ اٹھانا ترک کرنا ہو نہیں سکتا الا یہ کہ ان کے نزدیک حضورؐ کے رفع یدین کا عمل یقیناً منسوخ ہوچکا اور ان کے نزدیک رفع یدین کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہو چکی ہے۔

روایات کا جائزہ

رفع یدین سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی دو روایتیں ماقبل میں گزریں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔ لیکن بعد میں حضرت ابن عمرؓ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہے۔ جیسا طحاوی اور موطا امام محمد کے حوالہ سے روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ کہ ابن عمرؓ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد باقی اور کسی تکبیر کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ جو صحابی رفع یدین کی روایت بھی نقل کر رہے ہیں۔ پھر اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترک رفع یدین ہے۔ اس لئے رفع یدین کا عمل مسنون نہ ہوگا۔ بلکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین کا حکم منسوخ ہے۔ اس وجہ سے صحابۂ کرام میں سے ایک بڑی جماعت رفع یدین نہیں فرماتی تھی۔ جن میں چاروں خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہم رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ رفع یدین کو مسنون نہیں

کہتے تھے۔ نیز اس مسئلہ پر علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں، جو قابلِ مطالعہ ہیں

سنتِ فجر کے بعد داہنی کروٹ لیٹنا

اعتراض ۳۶: صبح کی سنت نماز پڑھنے کے بعد داہنی کروٹ لیٹنے۔
(بحوالہ ہدایہ ۱/۵۴۱، درمختار ۱/۳۱۶)

یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے، عین الہدایہ ۱/۵۴۱ میں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فجر کی سنت کے بعد داہنی کروٹ پر تھوڑی دیر کے لئے استراحت فرمالیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات بھر عبادت کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہوجاتی تھی، اور فجر کی سنت سے فراغت کے بعد جماعت میں کچھ وقفہ ہوتا تھا، اس لئے اس دوران تکان دُور کرنے کے لئے استراحت فرمالیا کرتے تھے۔ تو اگر آج بھی کوئی شخص اس پر عمل کرتا ہے تو حنفیہ کی طرف سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ یہاں پر صرف اتنی بات ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم صرف داہنی کروٹ لیٹ جایا کرتے تھے۔ لیکن اس کا ذکر حدیث شریف میں نہیں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم گہری نیند سو بھی جایا کرتے تھے پھر بغیر وضو نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ اگر غیر مقلدین اس سے سونے کے بعد بغیر وضو نماز کو جائز کہنا چاہتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ غیر مقلدین سے سوال ہے کہ یہ مسئلہ بطورِ اعتراض حنفیہ پر کیوں پیش کیا گیا؟ جبکہ حنفیہ اس کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ اس استراحت کو مشروع اور مسنون سمجھتے ہیں۔

ظہر کی چار رکعت سنت

(اعتراض ۳۷) "ظہر کی چار رکعت سنت دو سلام سے پڑھتے" بحوالہ درمختار ۱/۴۴۴)

مسئلہ اور حوالہ دونوں غلط ہیں۔ کہ ظہر کی چار رکعت دو سلام سے پڑھتے۔ ایسا درمختار میں کہیں نہیں ہے، نہ درمختار کے متن میں ہے اور نہ ہی درمختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار میں بلکہ درمختار کے متن اور غایۃ الاوطار میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ظہر کی چار رکعت اگر دو سلام سے پڑھی جائیں گی تو یہ چار رکعت ظہر سے پہلے کی چار سنت کے قائم مقام نہ ہونگی۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

وسن مؤكدا اربعٌ قبل الظهر واربعٌ قبل الجمعة واربعٌ بعدها بتسليمةٍ فلو بتسليمتين لم تنب عن السنةِ۔

(درمختار مع شامی کراچی ۲/۱۲، شامی زکریا ۲/۴۵۱، غایۃ الاوطار ۱/۳۱۳)

یعنی ظہر سے پہلے چار رکعت اور جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت ایک سلام کے ساتھ سنتِ مؤکدہ ہیں۔ لہٰذا اگر دو سلام کے ساتھ ہوں تو سنت کے قائم مقام نہ ہوں گی۔

ہاں البتہ درمختار کے متن اور اس کے ترجمہ غایۃ الاوطار دونوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مسنون ہے۔ اور ظہر کے بعد چار رکعت کتنے سلام سے پڑھے۔ اس سلسلہ میں درمختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار میں یہ عبارت ہے۔ " اور اسی طرح ظہر کے بعد چاہے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھے، چاہے دو رکعت پڑھے۔ مگر ظہر کی چار سنت دو سلام سے پڑھنے سے متعلق کوئی عبارت پوری کتاب میں کہیں نہیں ہے۔ یہ غیر مقلدین کی طرف سے تلبیس ہے۔ جو مسلمانوں کو بلا وجہ فریب اور

شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش ہے۔ نیز حدیث پاک سے بھی یہی واضح ہے کہ ظہر سے قبل چار سنت ایک سلام سے پڑھی جائیں۔

عن أم حبيبة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة بني بيت في الجنة اربعا قبل الظهر وركعتين بعدها وركعتين بعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل الفجر صلوة الغداة۔ حديث عنبسة عن أم حبيبة في هذا الباب حديث حسن صحيح (ترمذی شریف، ۹۶/۱)

یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص دن ورات میں بارہ رکعت سنت پڑھیگا اس کے لئے جنت میں ایک محل بنایا جائیگا۔ چار ظہر سے قبل، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد، دو فجر سے پہلے۔ سب کو اللہ پاک ہدایت عطا فرمائے۔

تراویح بیس رکعات ہیں یا آٹھ

(اعتراض ۳۸) "تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے" (بحوالہ شرح وقایہ/۱۱۲)

آٹھ رکعت تراویح کی حدیث صحیح ہے۔ اس طرح کے کوئی الفاظ شرح وقایہ میں نہیں ہیں اور نہ ہی شرح وقایہ کے متن میں ایسی کوئی عبارت ہے، اور نہ ہی اس کے حاشیہ میں اور نہ شرح وقایہ کے ترجمہ میں۔ اگر کسی نے شرح وقایہ کی عبارت کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے تو وہ ترجمہ غلط ہے۔ اس لئے کہ شرح وقایہ کے متن میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے جسکا ترجمہ یہ ہو سکے، جو غیر مقلد معترض نے پیش کیا ہے۔ دیکھئے شرح وقایہ کی عبارت:

سنّ التراويح عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده خمس

ترویحات لکل ترویحۃ تسلیمتان وجلسۃ بعدھا قدر ترویحۃ والسنۃ فیھا الختم مرۃ ولا یترک لکسل القوم الخ (شرح وقایۃ ۱/۱۲۵)

ترجمہ: بیس رکعت تراویح مسنون ہے جو عشاء کے بعد وتر سے پہلے ہوتی ہیں۔ اور فوت ہونے کی صورت میں بعد وتر بھی مشروع ہے۔ اور وہ پانچ ترویحات ہوں۔ اور ہر ایک ترویحہ کے لئے دو دو سلام ہوں اور دو سلام کے بعد جلسہ استراحت ہو جس کی مقدار ایک ترویحہ کے برابر ہو۔ اور تراویح میں ایک ختم قرآن کرنا مسنون ہے۔ اور لوگوں کی سستی کی وجہ سے ایک ختم کی مقدار کو ترک نہیں کیا جائیگا۔

شرح وقایہ کی عبارت پوری کی پوری آپ کے سامنے ہے، جو نماز تراویح سے متعلق ہے۔ اس عبارت میں معترض نے اعتراض میں جو اُردو عبارت نقل فرمائی ہے وہ شرح وقایہ کی کسی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے۔

غیر مقلد معترض نے بار بار یہ چیلنج کیا ہے کہ "جو کچھ بھی لکھا ہے وہ احناف کی مقدس کتابوں سے لکھا ہے۔ اگر ناگوار ہو تو یہ آپ ہی کی کتابوں کا قصور ہے۔ مجھ غریب سے دلشکنی نہ ہونی چاہئے"۔

اب ہم معترض صاحب سے گذارش کرتے ہیں کہ احناف کی جن کتابوں کا نام اعتراض کے ساتھ درج کیا ہے، وہ کتابیں ضرور مقدس ہیں، لیکن ان میں وہ بات نہیں ہے جس کو معترض نے نقل فرمایا ہے۔ اور حنفیہ کا اعتماد اپنی جگہ ان کتابوں پر ہے۔ لیکن ان کتابوں کا ترجمہ یا اُردو شرح کسی نے بھی لکھی ہو ان پر حنفیہ کے مذہب کا مدار نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ترجمہ کرنے والے مترجم سے ترجمہ میں لغزش بھی ہو جائے۔ اسی طرح شرح لکھنے والا اپنی شرح کے اندر اصل کتاب سے ہٹ کر بھی بہت سی باتیں لکھ سکتا ہے۔ جن پر مذہب کا مدار نہیں ہے۔ اس لئے اصل کتاب کا اعتبار ہے۔ اور اصل کتاب کی عبارت ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ غیر مقلد معترض جس نے یہ سارے اعتراضات مُرتب فرمائے ہیں وہ عربی کتابوں کے سمجھنے پر بھی قادر نہیں ہے۔ اسی لیے اُردو تراجم جن کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، ان کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔ اور وہاں سے بھی صحیح طریقہ سے نقل کر کے اعتراض نہیں کر سکا۔

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

ہم نے اعتراض ۱۲ کے جواب میں شریعت کے مسلمہ اصول بیان کئے ہیں جن اصولوں پر اہلِ سنت والجماعت صحابہ اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔ انہیں بیان کیا گیا ہے کہ اصولِ شریعت تین ہیں جنکے اوپر شریعتِ اسلامیہ کے سارے احکامات کا مدار ہے۔

① کتاب اللہ:۔ اللہ کی کتاب میں جو شریعت کے احکام موجود ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ ② سنتِ رسُول اللہ:۔ جو احکامات آقائے نامدار علیہ السلام کے ارشادات میں مذکور ہیں اُن پر عمل کرنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ③ اجماعِ صحابہ:۔ خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ جس حکمِ شرعی پر اتفاق اور اجماع کرلیں اس پر عمل کرنا بھی تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ جو اس حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

علیکم بسُنّتی وسُنّۃِ الخلفاء الراشدینَ المهدیّین (ابن ماجہ ۱/۵، مشکوٰۃ شریف ۳۰/)

ترجمہ: تم پر میرا طریقہ اور میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین جو ہدایت کیلئے مشعلِ راہ ہیں ان کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا لازم ہے۔

قیاس کی حجیت

ان تینوں اصولوں کے علاوہ ایک چوتھا اصول بھی ہے اور وہ ائمہ مجتہدین کا اجتہاد ہے" اس اصول کی ضرورت اسلئے پڑی کہ جب آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ایک مسئلہ کے متعلق دو قسم کی متضاد روایات مذکور ہوں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کیلئے پوری شریعت پر عبور ہونا لازم ہے اور یہ کام فقہائے مجتہدین جو قرآن کی تمام آیات پر اور آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تمام ارشادات پر اور حضرات صحابۂ کرام کے ان تمام اجماعی واتفاقی مسائل پر پورا عبور رکھتے ہوں جن پر حضرات صحابہؓ نے بلا اختلاف اتفاق کرلیا ہو تو ایسے مجتہدین کیلئے تمام نصوص پر غور کرکے متضاد روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا حق حاصل ہے۔ ہر کس و ناکس کو اسکی اجازت نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی مسئلہ کے متعلق اصولِ ثلاثہ میں سے کسی میں کوئی حکم شرعی صراحت سے مذکور نہیں ہے تو ان تینوں اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس مسئلہ کا حکم مستنبط کرنیکا حق بھی انہیں فقہائے مجتہدین کو حاصل ہے۔ اسلئے اسکو بھی الگ سے ایک اصول قرار دیا گیا ہے، ورنہ یہ مستقل کوئی اصول نہیں ہے، بلکہ اُوپر کے تینوں اصولوں کے تابع ہے۔

ان اصولوں کو جو ماننے والے ہیں ان کو اہلِ سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ ان میں سے ایک اصول کو بھی تسلیم نہیں کریں گے وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

آجکل ہندوستان میں بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ اہلِ حدیث کیطرح اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتے ہیں لہٰذا احقر کی اس تحریر سے کوئی اہلِ سنت سے بریلوی حضرات کو نہ سمجھیں بلکہ اس سے ائمہ اربعہ کو ماننے والے مُراد ہیں اور حنفی دیوبندی ان نصوص اور اصولوں کے زیادہ پابند ہیں۔ اسلئے انہیں کو اہلِ سنت کہنا زیادہ صحیح ہے۔

اب بیس رکعت تراویح کا ثبوت کہاں سے ہے وہ دیکھئے۔ صحیح سندوں کیساتھ یہ بات حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ بیس رکعت تراویح کے اہتمام کا سلسلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ اور اس کے اُوپر تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہوا کسی بھی ایک صحابی نے اس عمل پر نکیر نہیں کی۔ اسی کو اجماعِ صحابہ کہا جاتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کے دَور سے بیس رکعت تراویح پر اہتمام کا سلسلہ امت کے سوادِ اعظم میں ہمیشہ باقی رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے پورے دَور میں اور پھر حضرت علیؓ کے زمانہ میں اور پھر صحابہؓ کے پورے دَور اور پھر تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانوں میں سلسلہ در سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ تراویح کا حکم شریعت کے اصول نمبر ۳۔ اجماعِ صحابہ سے حتمی طور پر ثابت ہوا ہے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور معجم کبیر طبرانی کی مرفوع روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اگرچہ اس حدیث شریف کی سند میں ابراہیم بن عثمان کو متکلم فیہ اور ضعیف قرار دیا گیا ہے، مگر اس کو مستقل طور پر دلیل نہ بنا کر اجماعِ صحابہ کی تائید میں پیش کرنے میں کوئی

اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس کو مستقل دلیل قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ مستقل دلیل صحابہ کا اجماع ہے اور یہ اس کی تائید میں ہے لہٰذا بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہوں گی۔

بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور جمہور صحابہ سے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پر اجماع کا ثبوت ہے۔ اس کیلئے دس روایات بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) مالك عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر ابن الخطابؓ في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (مؤطا مالک /۴۰، السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

(۱) حضرت امام مالکؒ یزید ابن رومانؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا اہتمام لوگ کرتے تھے۔

(۲) عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطابؓ في شهر رمضان بعشرين ركعة قال و كانوا يقرؤن بالمئين وكانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمانؓ بن عفان من شدة القيام. (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

(۲) حضرت سائب ابن یزیدؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں رمضان کے اندر بیس رکعت تراویح کا اہتمام تمام صحابہ کرتے تھے اور سو سو آیت والی سورتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں شدت قیام اور طول قیام کی وجہ سے لوگ اپنی لاٹھیوں کو سہارا بھی بنالیا کرتے تھے۔

(۳) عن شتير بن شكل وكان من اصحاب عليؓ انه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث. (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۳) حضرت شتیر ابن شکلؒ سے مروی ہے اور یہ حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے تھے وہ رمضان کے اندر بیس رکعت تراویح میں لوگوں کی امامت فرمایا کرتے تھے۔ اور تین رکعت وتر بھی پڑھایا کرتے تھے۔

(۴) عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علیؓ قال دعا القراء فی رمضان فأمر منہم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علیؓ یوتر بہم۔ (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

(۴) حضرت علیؓ رمضان کے اندر قاریوں کو بلاتے تھے۔ پھر ان میں سے ایک کو بیس رکعت تراویح کیلئے لوگوں کی امامت کا حکم فرماتے۔ اور حضرت علیؓ ان لوگوں کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(۵) عن ابی الحسناء عن علی بن ابی طالب أمر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۵) حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پانچ ترویحات کے ساتھ پڑھایا کریں۔

(۶) عن حسن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعبؓ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۶) عبد العزیز ابن رفیع فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ مدینۃ المنورہ میں رمضان کے اندر بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے۔

(۷) عن الحارث انہ کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۷) حضرت حارث رمضان کی راتوں میں بیس رکعت تراویح میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(۸) عن عطاء قال ادرکت الناس وہم یصلون ثلاثۃ وعشرین رکعۃ بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)

(۸) حضرت عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ رمضان میں تیئس رکعت پڑھتے تھے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر۔

(۹) عن سعید بن عبید ان علی

(۹) حضرت سعید بن عُبید فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ربیعہ

ابن ربیعۃ کان یصلی بہم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)	رمضان کے اندر لوگوں کو پانچ ترویحات اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔
(۱۰) عن یحییٰ بن سعید ان عمر ابن الخطابؓ امر رجلاً یصلی بہم عشرین رکعۃ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳)	حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مکلف بنا رکھا تھا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھا دیا کرے۔

بیس رکعت تراویح کے بارے میں خلفاءِ راشدین اور جمہور صحابہ کا اجماعی عمل آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اب کس کی ہمت ہے کہ خلفاءِ راشدین اور اجلۂ صحابہ کی مخالفت کرکے یوں کہے کہ بیس رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہے۔ اب آپ کے سامنے حضورؐ کے منشاءِ نبوت کو سمجھنے والے صحابہ اور سوادِ اعظم کا عمل واضح ہوچکا ہے۔ جب تمام صحابہ اور سوادِ اعظم کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے تو ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ پر بیس رکعت تراویح کے بارے میں اس طرح الزام قائم کرنے کی کیسے ہمت پیدا ہوئی کہ اسکا ثبوت حدیث میں نہیں ہے۔ اور جو حدیث میں نہیں ہے اس پر عمل کی ضرورت نہیں۔ ایسی باتیں وہی کرسکتا ہے جس میں خدا اور رسولؐ کا خوف نہ ہو۔

بیس رکعت تراویح پر بعض مرفوع روایات

بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر مرفوع روایت سے ثابت ہیں۔ اگرچہ مرفوع روایت کی سند میں تھوڑا سا کلام ہے۔ لیکن اجماع کی تائید میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو مصنف ابن ابی شیبہ اور معجم طبرانی میں موجود ہے۔

(۱) عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور الگ سے وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۴، معجم طبرانی ۱۱/۳۱۱ حدیث ۱۲۱۰۲)

اس حدیث شریف کو اگرچہ صحیح کا درجہ حاصل نہیں ہے لیکن موضوع بھی نہیں ہے، اس کو اجماع صحابہؓ کی تائید کیلئے لانے میں کوئی اشکال نہیں۔

بیس رکعت تراویح پر علامہ ابن تیمیہؒ کی تائید

شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کے تفردات کو غیر مقلدین اپنے لئے فخر کی چیز سمجھتے ہیں۔ دیکھئے حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پر تائید۔

۲ فلما کان ذلک یشق علی الناس قام بھم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطابؓ عشرین رکعۃ ویوتر بعدھا ویخفف فیھا القیام الخ

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۳/۱۲۰)

(۲) علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کو طولِ قیام دشوار ہوا تو حضرت ابی بن کعبؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کے لئے کھڑے ہوگئے اور اسکے بعد الگ سے وتر بھی پڑھاتے تھے اور اسمیں مختصر قیام فرماتے تھے۔

۳ والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیھم احتمال لطول القیام فالقیام بعشر رکعات و ثلاث بعدھا کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی لنفسہ فی رمضان وغیرہ ھو الافضل وان کانوا لا

(۳) افضلیت لوگوں کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے اگر لوگوں میں طولِ قیام کی وجہ سے مشقت کا احتمال ہے تو دس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھے جیسا حضور رمضان اور غیر رمضان میں اپنے طور پر کیا کرتے تھے جو کہ ایک افضل عمل ہے۔ اور اگر لوگوں میں طولِ قیام کی دشواری کا احتمال

یَحْتَمِلُوْنَہٗ فالقیامُ بعشرینَ ھُوَ	نہ ہو تو بیس رکعت تراویح ہی زیادہ افضل ہے۔
الافضلُ وَھُوالّذی یَعْمَل بہٖ اکثر	اور یہ وہی عمل ہے جس پر اکثر مسلمانوں نے عمل
المُسْلِمین فانہٗ وَسط بَیْنَ العَشْرِوَ	کیا ہے اسلئے کہ یہ عمل دس اور چالیس کے درمیان
بَیْنَ الاَرْبَعِیْنَ۔	میں ہے جکو خیرالامُوراَوْسَاطُھا کہا جاسکتا ہے۔

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۲/۲۷۲)

آٹھ رکعت تراویح سلف سے ثابت نہیں

غیر مقلدین سے یہ سوال ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد صحابۂ کرام اور سلف صالحین میں سے کن کن حضرات نے آٹھ رکعت تراویح با جماعت مسجد میں ادا کیں کس سن میں کس شہر میں ذرا ثابت کریں؟ نیز بیس رکعت تراویح پر سلف صالحین میں سے کس نے نکیر فرمائی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر غیر مقلدین جو اپنے آپ کو مجاز مقدس میں جھوٹ بول کر سلفی ثابت کرنے کی کوشش کرہے ہیں وہ کس ہمت اور جرأت کی بنا پر اجماع صحابہ اور خلفائے راشدین اور سلف صالحین کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں؟

منبر پر خطیب کا سلام

(اعتراض ۲۹) "خطیب جب منبر پر بیٹھے تو سلام کرے"
(بحوالہ درمختار ۱/۳۷۴)

غیر مقلدین نے یہ مسئلہ غلط نقل کیا ہے۔ درمختار کا ترجمہ غایۃ الاوطار جہاں سے معترض نے اعتراض نقل کیا ہے وہاں پر سلام کو مستحب لکھا ہے۔ ہاں البتہ درمختار میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اس کو غلط انداز سے نقل کرکے لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا حنفیہ کی کتابوں میں دیگر ائمہ کے مذاہب اور مسلک کا بیان ناجائز اور حرام ہے؟

ایسا ہرگز نہیں۔ امام نوویؒ اور علامہ شوکانی اور عبدالرحمن مبارکپوری وغیرہم کی کتابوں کو دیکھئے کہ ہر مذہب اور ہر مسلک کے اقوال انہیں آپ کو ملیں گے، اس مسئلہ میں درمختار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ درمختار ۲/۲۳ مطبع زکریا ۲/۱۵۰ مطبع کراچی میں عبارت یوں ہے۔ وَقَالَ الشافعي إِذَا استوىٰ على المنبر سَلَّم۔ درمختار میں امام شافعیؒ کا مسلک بیان کیا گیا ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو لوگوں کو سلام کرے، یہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہے بلکہ شافعیہ کا مسلک ہے جس غیر مقلدین سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے امام شافعیؒ کا مسلک درمختار کے حوالہ سے حنفیہ کی جانب کیوں منسوب کیا۔ البتہ حنفیہ کے یہاں اس مسئلہ کا حکم کیا ہے یہ الگ بات ہے۔

حنفیہ کا موقف

اس مسئلہ میں حنفیہ کا موقف کیا ہے تو اس سلسلے میں کتبِ احناف میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں بعض روایات میں ترکِ سلام کو افضل کہا اور بعض روایات میں مُباح کہا ہے۔ اور بعض روایات میں مستحب لکھا ہے۔ یہ اختلافات حدیث شریف کے مختلف ہونے کی وجہ سے پیش آئے ہیں کہ اس سلسلہ کی بعض حدیث شریف نہایت ضعیف اور متکلم فیہ ہیں اور بعض اس سے کچھ اُوپر کے درجہ کی ہیں جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم ابھی آپ کے سامنے پیش کریں گے۔
لیکن اس مسئلہ میں حنفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختیاری ہے۔ اگر کوئی خطیب سلام کرے تو اسکی بھی اجازت ہے بلکہ بعض فقہاء مستحب کہتے ہیں۔ اسلئے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے بہشتی زیور ۱۱/۸۲ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب سب لوگ جمع ہو جاتے اس وقت آپ تشریف لاتے اور حاضرین کو سلام کرتے۔ اور حضرت بلالؓ اذان کہتے اور اگر کوئی سلام نہ کرے تو اس پر بھی کوئی ملامت نہیں۔ اسلئے کہ حدیث شریف متکلم فیہ ہے:

مَافی السِّراج انہ یستحب للامام اذا — کتاب سراجی کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ امام کیلئے مستحب یہ

صعد المنبر واقبل على الناس ان يسلم عليهم لانه استدبرهم في صعوده۔ وقوله في الجوهرة: ويروى انه لاباس به لانه استدبرهم في صعوده۔

(شامی زکریا ۳/۲۳، البحر الرائق ۲/۱۴۸-۱۵۵)

ہے کہ جب منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو جائے تو لوگوں کو سلام کرے۔ اور جوہرہ میں ہے کہ فقہاء سے یہ بات مروی ہے کہ امام کیلئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ امام لوگوں کو سلام کرے۔ اسلئے کہ امام نے منبر پر چڑھتے وقت اپنی پیٹھ لوگوں کی طرف کی۔ اس کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

منبر پر خطیب کے سلام کی روایات

منبر پر چڑھنے کے بعد خطیب کے لوگوں کو سلام کرنے سے متعلق کتب حدیث میں روایات ملتی ہیں:

(۱) عن محمد بن يحيى حدثنا عمرو بن خالد ثنا ابن لهيعة عن محمد بن زيد ابن مهاجر عن محمد بن المنكدر عن جابر ابن عبد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا صعد المنبر سلم۔ (سنن ابن ماجہ ۱/۸، نصب الرایہ ۲/۲۰۵، اعلاء السنن ۸/۸۳)

(۱) حضرت عمرو ابن خالد عبد اللہ ابن لہیعہ کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کو سلام کرتے۔

(۲) حدثنا محمد بن الحسن حدثنا محمد بن ابي السري حدثنا الوليد بن مسلم حدثنا عيسى بن عبد الله الانصاري عن نافع عن ابن عمرؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس فاذا

(۲) عیسیٰ ابن عبد اللہ انصاری کے طریق سے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لاتے تو جو لوگ منبر کے قریب بیٹھے ہوئے ہوتے ان کو سلام فرماتے

صعد المنبر توجّه الی الناس فسلم علیھم (المعجم الاوسط للطبرانی ۷/۳۴۹) وفیہ عیسی بن عبداللہ الانصاری وھو ضعیف وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ (مجمع الزوائد ۲/۱۸۴، اعلاء السنن ۸/۸۳، نصب الرایہ ۲/۲۰۵)

اور پھر جب منبر پر چڑھ جاتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو سلام فرماتے۔

(۳) حدثنا ابوبکر حدثنا ابو اُسامۃ حدثنا مجالد عن الشعبی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعۃ استقبل الناس بوجھہ فقال السّلام علیکم وکان ابوبکر و عمر وعثمان یفعلونہٗ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۴، نصب الرایہ ۲/۸۶، اعلاء السنن ۸/۸۳)

(۳) امام عامر شعبی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن منبر پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر السَّلامُ عَلَیکم فرماتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

(۴) اخبرنا ابن جریج عن عطاء قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعۃ استقبل بوجھہ فقال السلام علیکم (اعلاء السنن ۸/۸۴، نصب الرایہ ۲/۲۰۶)

(۴) حضرت عطاء ابن ابی رَباح فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو السّلامُ عَلَیکُمْ فرماتے۔

روایات کا جائزہ

منبر پر خطیب کے سلام سے متعلق یہ کل چار روایات آپ کے سامنے پیش کی جا چکیں۔ مگر ان روایات کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے۔ اس پر واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلی روایت جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ اس روایت کی سند میں دو راویوں پر محدثین نے کلام فرمایا ہے (۱) عبداللہ ابن لہیعہ۔ ان کی کتابیں جل جانے کے بعد انکا حافظہ متاثر

ہوچکا تھا اسلئے محدثین نے عبداللہ بن لہیعہ کو ضعیف اور کمزور راوی قرار دیا۔(۲۱) عمرو ابن خالد ابن فروخ التیمی الحرانی ان کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے دسویں طبقہ کے محدثین میں شمار فرمایا اور ثقہ کہا ہے۔ لیکن عبداللہ ابن لہیعہ اور ان کی وفات کے درمیان میں ۵۵ سال کا فاصلہ ہے اسلئے کہ ابن لہیعہ کی وفات ۱۷۴ھ میں ہے اور عمرو ابن خالد تمیمی کی وفات ۲۲۹ھ میں ہے۔ اسلئے اس حدیث شریف کی سند کو کسی حد تک اگر مان بھی لیا جائے تو منقطع شمار ہوگی اور منقطع حدیث شریف غیر مقلدین کے یہاں معتبر نہیں۔ نیز ابن ابی حاتم وغیرہ نے اس حدیث شریف کو موضوع قرار دیا ہے۔ نصب الرایہ اور ابن ماجہ شریف کے حاشیہ میں اس کی تفصیلی بحث موجود ہے۔ اور اگر عمرو ابن خالد قریشی مراد ہے تو اس کو امام وکیع وغیرہ نے متہم بالکذب قرار دیا ہے۔ اسلئے یہ روایت متکلم فیہ ہے۔

اور دوسری روایت میں عیسیٰ ابن عبداللہ انصاری ہے اس کو امام ابو بکر بیہقی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور امام یحییٰ ابن سعید قطان نے ان کو منکر الحدیث فرمایا ہے۔ اسلئے اس حدیث شریف کو بھی ضعیف کہا گیا ہے۔

اور تیسری روایت امام عامر شعبی کی مرسل روایت ہے اور مرسل روایت غیر مقلدین کے یہاں ان کے اصول کے مطابق قابلِ استدلال نہیں ہوتی۔

اسی طرح چوتھی روایت امام عطار ابن ابی رباح کی مرسل روایت ہے۔ اور یہ بھی ان کے یہاں معتبر نہیں۔ اب ثابت ہوا کہ مذکورہ چاروں روایات یا تو ضعیف ہیں یا مرسل ہیں بہر حال چاروں روایات متکلم فیہ ہیں۔ اور ایسی روایات احناف کے یہاں تو آداب اور مستحبات میں مستدل بن سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں از قبیل آداب تحریر فرمایا ہے۔ اور کتاب سراج کے اندر سے نقل فرمایا ہے جیسا کہ ماقبل میں آپ کے سامنے اس کی تفصیل آچکی۔

لیکن غیر مقلدین جو اپنے آپ کو بتکلف سلفی کہتے ہیں ان کے یہاں اس قسم کی روایات

مستدل نہیں بن سکتی. بلکہ ان کے یہاں مستدل جب ہی بن سکتی ہے کہ جب حدیث شریف مرفوع ہو متصل السند بھی ہو اور سند کے تمام رجال ثقہ اور معتبر ہوں اور کوئی راوی متکلم فیہ نہ ہو. اور مذکورہ روایات میں سے کسی میں یہ تمام شرائط موجود نہیں ہیں تو ہماری طرف سے سوال ہے کہ یہ احادیث ان کی شرائط کے مطابق نہ ہونیکے باوجود وہ لوگ منبر پہ سلام کا التزام کیوں کرتے ہیں؟ اور حنفیہ کے اوپر اعتراض والزام بھی قائم کرنیکی کوشش کرتے ہیں. حالانکہ حنفیہ کے یہاں اس قسم کی روایات پر عمل کرنے میں اختیار ہے. اگر کوئی عمل کرتا ہے تو اسکی بھی اجازت ہے. اور اگر کوئی عمل نہیں کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی ملامت نہیں۔

ہر زبان میں خطبہ کا مسئلہ

(اعتراض نمبر ۴۴) "خطبہ ہر زبان میں جائز ہے"
(بحوالہ درمختار ۱/۴۰۲)

اس مسئلہ میں درمختار کا حوالہ غلط ہے. درمختار میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں ہے۔ بلکہ علامہ شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف نقل فرمایا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں بھی خطبہ کی گنجائش ہے. اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ مشروع نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس لئے کہ خطبہ میں اصلاً ذکراللہ مقصود ہے. اور ذکراللہ میں مطلب کا سمجھنا لازم نہیں. اور جمعہ کے خطبہ کو نماز کی قرارت کیساتھ زیادہ شابہت ہے. لہٰذا جسطرح قرارت کا سمجھنا مقتدیوں پر ضروری نہیں بلکہ کان لگاکر سننا ضروری ہے. اسی طرح جمعہ کے خطبہ کا بھی مسئلہ ہے۔ کہ اسکا بھی کان لگاکر سننا ضروری ہے یہی حنفیہ کا مفتی بہ اور راجح قول ہے۔ (امداد الاحکام ۱/۱۹۸، ۲۲۵، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/۴۳، ۵۲، ۱۲۹، امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۴، ۵۶، ۶، عزیز الفتاویٰ ۱/۵، ۲۷، امداد المفتیین ۲/۴۵۴)

لاشك فى ان الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريما۔

(شرح وقایہ ۱/۲۰۰ حاشیہ ۲، شامی زکریا ۳/۱۹)

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر عربی میں خطبہ دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اس سنت کے خلاف ہے جو ہم تک تواتر و توارث کے ساتھ آئی ہے لہٰذا یہ مکروہ تحریمی ہے۔

غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں حنفیہ کے اختلاف کو دیکھ کر موقع کو غنیمت سمجھا کر ایک قول انکا ہے ہی اس کو ظاہر کیا اور اصل مسلک کو چھپا رکھا اور درمختار کو بھی براہِ راست نہیں دیکھا۔ اسلئے کہ درمختار میں ایسا مسئلہ ہے ہی نہیں۔

شوہر کی نعش کو نہلانا

(اعتراض ۱۴۱) "بیوی اپنے شوہر کی نعش کو نہلا دے"۔
(بحوالہ درمختار ۱/۲۰۴)

یہ مسئلہ بحوالہ درمختار بالکل صحیح ہے۔ حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہی ہے کہ اگر شوہر کو نہلانے کیلئے مرد نہ ہوں تو بیوی شوہر کو نہلا سکتی ہے۔ کتب احناف میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

وهى لاتمنع من ذلك (درمختار) وفى الشامية: اى من تغسيل زوجها دخل بها اولا ومثله فى البحر وفى البدائع: المرأة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى مابقى النكاح والنكاح بعد الموت باق الى ان تنقضى العدة۔

(شامی زکریا ۳/۹۰-۹۱، البحر الرائق ۲/۱۷۴، بدائع الصنائع کراچی ۱/۳۰۴)

اور عورت کو اس سے نہیں روکا جائیگا یعنی اپنے شوہر کو غسل دینے سے نہیں روکا جائیگا خواہ ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور ایسا ہی البحر الرائق اور بدائع میں ہے کہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اس لئے کہ غسل کی اباحت نکاح سے مستفاد ہے۔ لہٰذا یہ اباحت باقی رہیگی جب تک نکاح باقی رہیگا۔ اور نکاح موت کے بعد عدت گذرنے تک باقی رہتا ہے۔

غیر مقلدین نے اس مسئلہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنیکا ارادہ کیا ہے؟ جبکہ کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ ثابت ہے۔ اور مسلک حنفی کے کسی معتبر عالم نے اسکا انکار نہیں کیا تو اس کو موضوعِ بحث بنانیکا کیا مقصد ہے؟ محض خالی الذہن مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کیلئے یہ ناپاک حرکت کی ہے۔ اللہ پاک ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

نمازِ جنازہ میں رفعِ یدین

(اعتراض ۴۲) تکبیراتِ جنازہ میں رفعِ یدین جائز ہے۔ (بحوالہ درمختار ۱/۲۱۰)

درمختار کے حوالے سے غیر مقلدین نے یہ مسئلہ غلط نقل کیا ہے۔ مسئلہ ایسا نہیں ہے بلکہ درمختار میں مسئلہ یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر یعنی تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ اور بقیہ تکبیروں میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ ہاں البتہ ائمہ بلخ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تمام تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے جو احناف کا مسلک نہیں ہے تو غیر احناف کے مسلک کو نقل کرنا کیا ناجائز ہے؟ ایسا ہرگز نہیں۔

وهي اربع تكبيرات يرفع يديه في الاولى فقط وقال ائمة بلخ في كلها (درمختار) وفي الشامية: وهو قول الائمة الثلاثة ورواية عن ابي حنيفة كما في شرح درر البحار والاول ظاهر الرواية (شامی زکریا ۳/۱۰۹) لاترفع الايدي في صلوٰة الجنازة سوى تكبيرة الافتتاح وهو ظاهر الرواية۔

نمازِ جنازہ چار تکبیرات کا نام ہے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائیں اور ائمہ بلخ اور امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ تمام تکبیروں میں ہاتھ اٹھائیں اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت بھی ہے جیسا کہ درر البحار میں ہے اور ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے جائیں اور بحر کی عبارت میں ہے کہ نمازِ جنازہ میں شروع کی تکبیر کے علاوہ کسی

(البحرالرائق ۲/۱۸۳) اور نہ ہاتھ اٹھائے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے

مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کیلئے دوسرے ائمہ کے مسلک کو اس طرح نقل کر دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہی حنفیہ کا مسلک اور مذہب ہے۔ یہ نہایت غلط بات ہے۔ یا اعتراضات کی کثرت دکھانے کیلئے یہ حرکت کی ہے۔ اللہ پاک ہدایت عطا فرمائے۔

تیجہ، دسواں، چالیسواں

(اعتراض ۴۳) "تیجہ، دسواں، چالیسواں نہایت مذموم بدعت ہے۔"
(بحوالہ بہشتی زیور)

یہ مسئلہ بحوالہ بہشتی زیور اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ (بہشتی زیور ۱/۴۱) اور شامی میں بھی۔ یہ مسئلہ وضاحت سے موجود ہے کہ اگر کوئی تیجہ، دسواں، چالیسواں کرتا ہے تو مذموم ترین بدعت کا ارتکاب کرتا ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور حنفیہ کی کتابوں میں ان رسومات کے جواز کا کہیں ذکر نہیں بلکہ ہندوستان میں ہندوؤں کی یہی رسم ہے اگر کوئی مسلمان جہالت کی وجہ سے ان رسومات کا ارتکاب کرتا ہے تو مسلکِ حنفی اس کا ذمہ دار نہیں۔ ان بُری رسومات کے ذمہ دار خود ان کے مرتکب ہیں حنفیہ کے یہاں یہ چیزیں جائز نہیں۔ لہٰذا حنفیہ پر اسکا کیا الزام ہے؟ دیکھئے احناف کی کتابوں میں کیا لکھا ہے؟

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعامِ من اَھْلِ المیتِ لانہ شرع فی السّرورِ لا فی الشرورِ۔ وھی بدعۃ مستقبحۃ وفی البزازیۃ ویکرہ اتّخاذ الطّعامِ فی الیوم الاوّلِ والثالثِ وبعْدَ الاسبوعِ۔

اور میت کے گھر والوں کیطرف سے ضیافت کے کھانوں کا انتظام کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ ضیافت کے کھانے کا انتظام کرنا خوشی کے موقع پر مشروع ہے پریشانی اور بُرے موقع پر مشروع نہیں ہے اور وہ بد ترین بدعت ہے۔ اور پہلے دن میں کھانا کھلانا تیجہ کرنا اور ساتواں کرنا مکروہ ہے اور بعد الاسبوع

(شامی زکریا ۳/۱۴۰، بزازیہ علی الہندیہ ۶ ۲۷۹، طحطاوی علی المراقی /۳۳۹، البحرالرائق ۲/۱۹۲) | میں دسواں، بیسواں سب شامل ہیں جو شرعاً ناجائز ہے۔

قبروں پر عمارت بنانا، چراغ جلانا

(اعتراض ۴۴) ولی کی قبر پر بلند مکان بنانا، چراغ جلانا بدعت ہے۔
(بحوالہ درمختار ۴/۲۴۳)

حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ قبروں پر عمارت بنانا اور بڑے بڑے گنبد تعمیر کرنا اور پھر قبروں پر چادر پھول چڑھانا یہ تمام امور ناجائز اور بدعت قبیحہ ہیں۔ یہی حنفیہ کا اصل مسلک ہے اور اگر کہیں ان امور کا جواز لکھا ہے تو ان پر حنفی مسلک کا اعتماد نہیں نہ ہی ان کے جواز پر قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ میں ان چیزوں کی ممانعت کا تاکیدی حکم موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

① نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبور وان يبنى عليها وان يقعد عليها (مسلم شریف ۱/۳۱۲، ترمذی شریف ۱/۲۰۳)

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ پختہ قبر بنا کر اس کو پلاسٹر کیا جائے یا اس کے اوپر عمارت بنائی جائے یا اس کے اوپر بیٹھا جائے یا اس کو روندا جائے۔

ولا يجصص للنهي عنه ولا يطين ولا يرفع عليه بناء (درمختار) وفي الشامية: اى يحرم لو للزينة ويكره لو للاحكام بعد الدفن. (شامی زکریا ۳/۱۴۴، البحرالرائق ۲/۱۹۴، طحطاوی علی المراقی ۳۳۵، فتح القدیر ۲/۱۰۱)

اور درمختار میں ہے کہ قبر کے اوپر پلاسٹر کیا جائے اور نہ ہی اس کو پختہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے اوپر عمارت بنائی جائے۔ اور شامی میں ہے کہ قبروں کو پختہ کرنا اگر زینت کیلئے ہے تو حرام ہے، اور اگر دفن کے بعد مضبوطی کیلئے ہے تو مکروہ ہے۔

ہمارے ہندوستان میں حنفی مسلک کے ماننے والے لوگ عقیدہ کے اعتبار سے دو قسم پر ہیں۔

① دیوبندی مکتبِ فکر: ان کے نزدیک قبروں پر عمارت، گنبد بنانا اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا اور قبروں پر پھول چادر چڑھانا، چراغ جلانا یہ تمام امور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ناجائز اور حرام ہیں۔

(۲) لعن اللّٰہ زائرات القبور و المتخذین علیها المساجد والسرج۔ الحدیث (ترمذی شریف ۱/۴۳، نسائی شریف ۱/۲۲۲، ابوداؤد شریف ۲/۴۶۱)	(۲) حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کرتا ہے۔ اور ان لوگوں پر لعنت کرتا ہے جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور قبروں پر چراغ جلاتے ہیں۔

اور یہی حنفیہ کا صحیح مسلک ہے۔

② بریلوی مکتبِ فکر: ان کے علماء و عوام میں بہت سے مسائل میں نرمی اور بدعاتِ ممنوعہ دیکھنے میں آتے ہیں ۔ اسی قسم کے مسائل کی وجہ سے دیوبندی مکتبِ فکر اور بریلوی مکتبِ فکر کے درمیان زبردست اختلاف ہے حتیٰ کہ ایک دوسرے سے سلام مصافحہ بھی گوارہ نہیں کرتے، چنانچہ دیوبندی مکتبِ فکر کے علماء و مشائخ کی قبروں پر ایسا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور بریلوی مکتبِ فکر کے علماء کے درمیان اس طرح کی بدعاتِ ممنوعہ کا عمل دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔ چنانچہ ان کی مشہور کتاب بہارِ شریعت ۱۶/۴۲۳ میں لکھا ہے کہ بزرگانِ دین اولیاء اللہ کی قبروں پر غلاف وغیرہ ڈالنا جائز ہے۔ ہم دیوبندی مکتبِ فکر کے لوگ اس کو قطعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔

لہٰذا بریلوی مکتبِ فکر کے اعمالِ مبتدعہ کا الزام ہم دیوبندی مکتبِ فکر کے لوگوں پر عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم ان جملہ امور کو قطعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔

نیز ہم نے سببِ تالیف کے تحت کتاب کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے کہ یہ جوابات دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں۔ اور بریلوی مکتبِ فکر کے ہم ذمہ دار نہیں۔

قبروں کو بوسہ دینا نصاریٰ کی عادت

(اعتراض ۴۵) "قبروں کا بوسہ دینا جائز نہیں کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔" (بحوالہ درمختار ۴/۲۴۲)

یہ مسئلہ صاحب غایۃ الاوطار نے ہندیہ کے حوالے سے درمختار کے ترجمہ کے بعد نقل فرمایا ہے۔ درمختار میں ایسا مسئلہ کہیں نہیں ہے۔ ہاں البتہ قبروں کو بوسہ دینا نصاریٰ کی عادت ہے یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہ مسئلہ موجود ہے اور یہی حنفیہ میں سے دیوبندی مکتبِ فکر کا مسلک ہے کہ قبروں کو بوسہ دینا ناجائز اور بدعتِ شنیعہ ہے۔

لا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصاریٰ۔ (عالمگیری ۵/۲۵۷، طحطاوی علی المراقی/۳۳۱، مرقاۃ ۴/۱۱۵، ۴۱ بذ ﷺ)

یعنی نہ قبر پر ہاتھ پھیرا جائے اور نہ ہی اس کو بوسہ دے اس لئے کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔

اگر کسی حنفی کا عمل اسطرح دیکھنے میں آیا ہے تو وہ اسکا ذاتی عمل ہے مسلک حنفی پر اس کا کوئی الزام نہیں بلکہ اس عمل کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

انبیاء و اولیاء کی قبروں کا سجدہ و طواف حرام

(اعتراض ۴۶) "انبیاء و اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، طواف کرنا، نذر چڑھانا حرام و کفر ہے۔" (بحوالہ مالابد منہ ۵۲)

مسئلہ صحیح ہے اور قبروں پر سجدہ اور طواف کو حنفی دیوبندی صرف حرام نہیں سمجھتے بلکہ کفر اور شرک سمجھتے ہیں اور حنفی دیوبندی مکتبِ فکر کے عوام بھی اس کو شرک سمجھتے ہیں۔ اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور جو شخص اولیاء اللہ کی قبروں پر ان امورِ شنیعہ کا ارتکاب کریگا

تو مسلک حنفی اسکا ذمہ دار نہیں ہے۔ (مالابد منہ ۶۷، عزیز الفتاوی ۸۹)

قال شمس الائمۃ السرخسی ان کان بغیر اللہ تعالیٰ علی وجہ التعظیم کفر قال القہستانی وفی الظہیریۃ یکفر بالسجدۃ مطلقاً۔	شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر غیر اللہ کا سجدہ تعظیم کیلئے ہے تو کفر ہے اور قہستانی و ظہیریہ میں ہے کہ سجدہ ہر حال میں موجب کفر ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۹، اشعۃ اللمعات للمحقق العلامہ الشیخ عبد الحق الدہلوی ۱ / ۲۰۰)

اگر کسی بد عمل و بددین کا شرکیہ عمل دیکھنے میں آیا ہے تو اسکا الزام حنفیہ پر کیوں عائد کیا جا رہا ہے؟ کیا غیر مقلدین خالی الذہن مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ قبروں کو سجدہ کرنا یا طواف کرنا حنفیہ کا عمل ہے؟ یہ قطعاً غلط اور جھوٹا الزام ہے نہ حنفیہ کی کتابوں میں اسکا جواز ملیگا اور نہ ہی ذمہ دار علماء اس کو جائز کہہ سکتے ہیں۔ جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں ان کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ حنفیہ پر اسکا کوئی الزام نہیں۔

اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت

> **(اعتراض ۴۷)** "جو ولی کی قبر کے واسطے مسافت طے کرے وہ جاہل و کافر ہے۔ (بحوالہ درمختار ۱/ ۵۲۹)

یہ غایۃ الاوطار کا حوالہ ہے۔ حوالہ اپنی جگہ درست ہے۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ومن نوی قال طی مسافۃ یجوز جاہل ثم بعض یکفر۔ (درمختار مع شامی مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۳۳۵)	اور جو شخص کسی ولی کے مزار کیلئے مسافت طے کرنے کو جائز کہتا ہے یہ اس کی جہالت ہے اور بعض نے وہاں سجدہ وغیرہ کیوجہ سے باعث کفر کہا ہے۔

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کیلئے سفر کرنا دو طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) وہاں پہونچنے سے مرادیں پوری ہو جائیں گی یا یہ خیال کرنا کہ اولیاء اللہ کے توسل

سے اللہ سے مانگنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ انکی قبروں کے پاس جاکر اللہ سے مانگا جائے تو اس طرح کا سفر جہالت ہے۔ شامی میں زعفرانی کے قول کا یہی مقصد ہے۔

ومن قال طی مسافة یجوز للولی جهول وهذا قول الزعفرانی

(شامی زکریا ۶/۹،۲۰۹ کراچی ۴/۲۶۰، مصری ۳/۲۲۵)

اور اگر یہ سوچ کر سفر کیا جائے کہ صاحب قبر سے مُرادمانگیں گے وہ مُرادیں پوری کرسکتا ہے تو یہ سفر باعثِ کفر ہوگا اور ابن مقاتل و محمد بن یوسف کے قول کا یہی مطلب و مقصد ہے۔

والقائل بکفرہ هو ابن مقاتل ومحمد بن یوسف (شامی زکریا ۶/۲۰۹)

(۲) اولیاء کے مزارات کی زیارت کے واسطے جو سفر کیا جارہا ہے وہ اسلئے ہرگز نہیں کیا جارہا ہے کہ ان سے مُرادیں مانگیں جائیں گی یا اولیاء کا توسل وہیں جاکے ہو سکتا ہے بلکہ اس لئے سفر کر رہا ہے کہ ان کی قبر پر کھڑے ہو کر عبرت حاصل کی جائے گی اور آخرت کی یاد خوب اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ تو استحضارِ یادِ آخرت و عبرت کی نیت سے سفر کرنا جائز اور درست ہے۔ حدیث صحیح کی روشنی میں اسکا جواز ثابت ہے۔

عن بریدةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور فقد اذن لمحمد فی زيارة قبر امه فزوروها فانها تذكر الآخرة. قال ابو عيسى حديث بريدة حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند اهل العلم لا يرون بزيارة القبور بأسا وهو قول ابن المبارك والشافعی واحمد واسحق۔ (ترمذی شریف ۱/۲۰۳)

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب اللہ نے محمدؐ کو اپنی والدہ کی قبر مبارک کی زیارت کی اجازت دیدی ہے لہٰذا اب تم قبروں کی زیارت کو جاسکتے ہو اسلئے کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے اور اسی پر علماء امت کا عمل ہے وہ اسمیں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں اور امام عبداللہ بن مبارکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحٰق بن راہویہ کا یہی قول ہے۔

حدیث شریف کی اس عبارت پر غور فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت کے ساتھ ساتھ دو باتیں ارشاد فرمائیں ۔

۱۔ زیارت قبور سے آخرت کی یاد آجاتی ہے ، اور عبرت حاصل ہوتی ہے ۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے ، اور والدہ محترمہ کی قبر شریف مقام ابوا میں ہے جو مدینۃ المنورہ سے ۵۰ کیلو میٹر سے کم نہیں ۔ لازمی بات ہے کہ والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کیلئے ایک لمبی مسافت طے کرنا پڑے گی ۔

لہٰذا اگر کوئی شخص عبرت کیلئے مسافت طے کر کے جاتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ مذکورہ حدیث سے اسکا جواز ثابت ہے ۔ یہ سفر حصول عبرت اور یاد آخرت کیلئے ہے جو فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الآخِرَةَ سے واضح ہے ۔ اب ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ در مختار کے حوالہ سے اس اعتراض کا کیا مقصد ہے جبکہ حنفیہ کا وہی عقیدہ اور مسلک ہے ، جو حدیث صحیح کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے ۔ اگر کسی کو اس حدیث شریف پر اشکال ہے تو وہ بتلائے کیوں اشکال ہے ؟ کیا اس حدیث میں کوئی کمی نظر آرہی ہے تو بتلایئے کیا کمی ہے یا اپنے مطلب کے موافق نہ ہونا یہ کمی ہے ۔ اگر اپنے مطلب کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے ہے تو اس سے بڑا بد دین کوئی نہ ہوگا ۔ حنفیہ تو حدیث کی روشنی میں جہاں تک جائز ہے وہاں تک جائز کہتے ہیں ۔ اس سے آگے حنفیہ جائز نہیں کہتے تو پھر کس بنا پر اشکال ہے ؟

غیر اللہ کی منت ماننا

(اعتراض ۴۸) " غیر اللہ کی منت ماننا شرک ہے ، اسکا کھانا حرام ہے " (بحوالہ بہشتی زیور ۶۵)

مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ غیر اللہ کی منت ماننا حرام اور شرک ہے ، یہی حنفیہ کا مسلک ہے ۔ غیر مقلدین اسکے ذریعہ حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں ، جبکہ وہ بھی اسی کے

قائل ہیں۔ اور ہم حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں تو پھر اختلاف و الزام کی کیا وجہ ہے۔ یہ مسئلہ بہشتی زیور ۱/۴۱ پر ہے) شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ۔	کسی امیر کو کھانے کی غرض سے نہیں بلکہ اس کی عظمت کیلئے ذبح کیا جائے تو جانور حرام ہو جاتا ہے اسلئے کہ وہ مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ میں داخل ہو گیا ہے۔
(شامی زکریا ۹/۴۴۹، کراچی ۶/۳۰۹، مصری ۵/۲۶۹)	

ایسا لگتا ہے کہ کثرتِ اشکال کے ذریعہ خالی الذہن مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے رعب جمانا چاہتے ہیں۔ اور اگر غیر مقلدین نے کسی جاہل وناواقف کو غیر اللہ کی منت مانتے ہوئے دیکھا ہے تو حنفی مسلک کی رو سے یہ شرک اور حرام ہے۔ جیسا کہ بہشتی زیور میں مذکور ہے۔ اس فعلِ حرام کا ذمہ دار وہ جاہل وناواقف خود ہے۔ مسلک حنفی پر اس کا کوئی الزام نہیں۔

مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللہِ کی حُرمت

(اعتراض ۴۹) "جس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہو تو ذبیحہ حرام ہے۔ (بحوالہ درمختار ۴/۲، ۱۴۹)

مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور درمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے تو ہم غیر مقلدین سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا غیر مقلدین نے کہیں یہ دیکھا ہے کہ حنفیہ نے ایسے جانور کو حلال کہا ہو؟ تو پھر غیر مقلدین اس مسئلہ کے ذریعہ سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ذُبح لقدومِ الامیرِ ونحوہ کواحدٍ مّن العُظماء یَحْرُم لانہ اُھِلّ بہ لغیر اللہ ولَوْ ذکر اسْمُ اللہِ تعَالیٰ۔ (شامی زکریا ۹/۴۴۹، کراچی ۶/۳۰۹، مصری ۵/۲۶۹)

کیا غیر مقلدین نے یہ کہیں دیکھا ہے کہ حنفیہ نے مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کو حلال کہا ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ حرام ہے۔ پھر حنفیہ پر کیا الزام ہے؟ مگر یاد رکھیں کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ اور سائبہ میں فرق ہے کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اسی وقت حرام ہو چکا جس وقت عمل ہوا ہے۔ بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ان کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ چاہے تم طاغوت اور اپنے معبودوں کے لئے نذر مان کر چھوڑ دو۔ مگر اس نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا وہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلیں گے۔ اسلئے اللہ نے فرمایا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔ اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو کوئی حیثیت نہیں دی ہے۔ لہٰذا اس نذر کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور وہ جانور مالک کی ملکیت سے نہیں نکلیگا۔ جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں سانڈ ہے۔ یہ بھی مالک کی ملکیت سے نہیں نکلیگا۔ لہٰذا مالک سے خرید کر یا مالک کی اجازت سے کوئی مسلمان اسلامی طریقہ سے ذبح کر دیگا تو وہ حلال ہوگا۔

مفسرین کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ومن ههنا عُلِمَ ان البقرة المنذورة لِلاَولِيَاءِ كما هو الرسمُ فی زمانِنا حَلالٌ طيبٌ لانّهٗ لم يذكر اسم غير اللّٰه عليها وقتَ الذبح وان كانوا ينذرونها لهٗ۔ (تفسیرات احمدیہ صلا سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳ امداد الفتاوی ۴/۱۰۰)	یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ گائے بیل اولیاء کے لئے نذر کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے وہ حلال ہیں پاک ہیں۔ اسلئے کہ ذبح کے وقت ان پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ اگرچہ غیر اللہ ہی کے لئے نذر کی گئی ہو۔

مسئلۂ توسل، حق اور وسیلہ کا فرق

(اعتراض نمبر ۵۰) - دعا بحق نبی وولی (بطور وسیلہ) مانگنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کا کچھ حق اللہ پر نہیں ہے۔ (بحوالہ درمختار ۴/۳۳۰، ہدایہ ۴/۳۳۶)

یہ غیر مقلدین کی طرف سے پچاسواں اعتراض ہے۔ جو درمختار اور ہدایہ کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ حوالہ اور مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔ لیکن بحقِ نبی و ولی کا مفہوم غیر مقلدین نے بطور وسیلہ کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا کر زیادہ کیا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ بحق نبی اور توسل نبی دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دونوں چیزیں بالکل الگ الگ ہیں۔ حق کا معنی اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اور توسل کے معنی اس سے ہٹ کر ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ ہم دونوں کو الگ الگ طور پر واضح کرتے ہیں۔ تاکہ مسلمان غلط بیانی کے دھوکہ سے محفوظ ہو جائیں۔

۱ــــ دُعا بحقِ نبی و ولی

حق کے دو معنی ہیں ① حق بمعنی وجوب ولزوم۔ ② حق بمعنی حرمت وعظمت پہلا معنی حقیقی اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ اور پہلے معنی کے اعتبار سے بحقِ نبی اور بحقِ ولی کے الفاظ سے دُعا مانگنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ کسی نبی اور ولی کی طرف سے اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں کی جا سکتی۔ درمختار و ہدایہ کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔ لیکن اس میں غیر مقلدین نے اپنی طرف سے تصرف کر کے بحق نبی وولی کو بتوسل ولی ونبی کے معنی میں لا کر ناجائز ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور پھر اس فیصلہ کو درمختار وہدایہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ حالانکہ درمختار وہدایہ میں ایسا نہیں ہے۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ کیجئے

①

کرہ قولہ بحق رسلك وانبیائك و اولیائك او بحق البیت لانہ لاحق للخلق علی الخالق تعالیٰ۔

(۱) مکروہ ہے آدمی کا کہنا تیرے رسول کے اور تیرے انبیاء و اولیاء کے حق یا تیرے بیت اللہ کے حق سے اسلئے کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

(درمختار مع الشامی زکریا ۹/۵۶۹، کراچی ۶/۳۹۷، مصری ۵/۳۴۹، ہدایہ جیشور ۴/۳۵۹)

② دوسرا معنی یعنی حق بمعنی حرمت اور عظمت کے ہو تو یہ باب وسیلہ میں سے ہوگا۔ اور انبیاء اور اولیاء کے توسل سے دعاء مانگنا جائز اور درست ہے۔ جو ہم ان شاء اللہ ابھی آپ کے سامنے نصوص کے ذریعہ سے ثابت کریں گے۔

لکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ جعل لھم حقا من فضلہ او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ۔

(۲) لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے خاص بندوں کیلئے اپنے فضل سے کچھ حق مقرر فرماتا ہے یا حق سے حرمت وعظمت مراد ہے جو وسیلہ کے قبیل سے ہے۔

(شامی زکریا ۹/۵۶۹، کراچی ۶/۳۹۷، مصری ۵/۲۵۰)

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی طرف سے کسی کے لئے اگر کوئی حق دینا چاہے تو اللہ کو اس کا اختیار ہے۔ چاہے حق بمعنی وجوب لزوم کے ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حدیث صحیح کے اندر اس کا ذکر موجود ہے وہ یہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلثۃ حق علی اللہ عزوجل عونہم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف والمجاھد فی سبیل اللہ۔ الحدیث

(نسائی شریف ۲/۶۹، ۲/۵۵، ابن ماجہ شریف ۱/۱۸۱)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ان کی مدد لازم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے (۱) وہ مکاتب جو بدل کتابت ادا کرنیکا ارادہ کرتا ہے۔ (۲) وہ نکاح کرنیوالا جو عفت وپاکدامنی کا ارادہ رکھتا ہے (۳) مجاھد فی سبیل اللہ۔

حالانکہ اللہ کے اُوپر نہ کوئی چیز واجب ہوسکتی ہے اور نہ کسی کا حق اللہ پر لازم ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر اللہ نے اپنی طرف سے کسی کے لئے کوئی حق اپنے اُوپر لازم کیا ہے تو اس پر کسی کو اللہ پر اعتراض کا حق نہیں۔ جیسا کہ حدیث مذکور سے اس کا ثبوت واضح ہے۔ اور شامی کی عبارت بھی اسی کے موافق ہے۔

لکن اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جعل
لہم حقاً من فضلہ۔ (شامی زکریا ۵٦۹/۹،
کراچی ۳۹۷/٦، مصری ۲۴۵/۵)

۲ــــ مسئلہ توسّل

توسل کے معنی یہ ہیں کہ دُعاء اللہ سے مانگی جائے اور نبی یا ولی کو صرف وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ اور نبی و ولی کے توسل سے دُعاء مانگنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ نبی و ولی کی طرف سے اللہ پر کوئی چیز لازم کی جارہی ہے۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے فضل سے اپنی طرف سے ایک عظیم ترین حرمت وعظمت عطاء فرمائی ہے اور یہ حرمت وعظمت انبیاءؑ کی زندگی میں بھی باقی رہی اور وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ اور وفات کی وجہ سے یہ حرمت وعظمت ختم نہیں ہوئی۔ لہٰذا جس طریقہ سے نبی کی زندگی میں نبی کا احترام لازم تھا اور بے حرمتی واہانت موجب کفر تھی، اسی طریقہ سے نبی کی وفات کے بعد بھی بدستور باقی ہے۔ لہٰذا وفات کے بعد اگر کوئی شخص نبی کی بے حرمتی واہانت کریگا تو وہ اسلام سے خارج ہوجائیگا۔ جیسا کہ پوری امت اس بات پر متفق ہے۔ سلمان رُشدی کا کیا حال ہورہا ہے، دیکھتے نہیں کہ دنیا میں چھپے چھپے پھر رہا ہے۔

اب اگر اس حرمت وعظمت کا وسیلہ دیکر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگتا ہے چاہے نبی کی زندگی میں واسطہ دیکر دُعاء مانگی جارہی ہو یا نبی کی وفات کے بعد، دونوں

صورتوں میں بلا تردد جائز ہے۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

غیر مقلدین کا عمل

غیر مقلدین جو اپنے آپ کو نام کے سلفی کہلواتے ہیں ان پر افسوس اور حیرت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں تو جائز ہے مگر وفات کے بعد جائز نہیں۔ اور اس کہنے کے بعد پھر ان کا عمل اُلٹا ہے کہ نبی کی وفات کے بعد غیر مقلدین کے سب سے بڑے پیشوا حضرت مولانا نذیر حسین دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ وہ اپنی معروف ترین علمی کتاب معیار الحق کے اخیر میں لکھتے ہیں:

هذا آخر ما ألهم الله خالق الثقلين عبده العاجز محمد نذير حسين عافاه الله في الدارين بجاه سيد الثقلين صلى الله عليه وسلم۔	یہ ان چیزوں کا آخر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ انسان وجنات کے خالق نے اپنے عاجز بندہ محمد نذیر حسین پر الہام فرمایا ہے۔ اللہ ان کو دارین کی عافیت عطا فرمائے انسان وجنات کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور مرتبہ کے توسل سے۔
(معیار حق / ۳۱۹ مکتبہ نذیریہ)	

اگر غیر مقلدین کے پیشوا مولانا نذیر حسین دہلوی ۱۳۲۰ھ کا یہ عمل جائز ہے تو صرف حنفیہ پر کیوں اعتراض ہے؟ اپنے اُوپر کیوں نہیں۔ اگر وفات کے بعد بجاہ نبی کے الفاظ سے دُعا مانگنا وہ لوگ جائز سمجھتے ہیں تو حنفیہ اور ان کے درمیان میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے۔ جب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں رہا تو ہم سب کو چاہیے کہ نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں بعد الوفات اور قبل الوفات توسّل کی حقیقت سمجھیں۔ آیئے دیکھئے:

توسّل کے جواز پر دلائل

اب نبی اور ولی کے وسیلہ سے دُعا کے جواز پر دلائل ملاحظہ فرمایئے۔ اس سلسلہ میں بہت سے دلائل ہیں ہم ان میں سے تین قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی قسم کے دلائل

وہ روایات جو آقائے نامدار علیہ السّلام کے ارشادات یا حضرات صحابۂ کرام کے ارشادات یا صحابہ کے عمل سے ثابت ہیں ان کا ایک ذخیرہ احادیث شریفہ میں موجود ہے ان میں سے تین روایات ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

① عن عثمان بن حنيف انّ رجلًا ضرير البصر اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال ادعوا الله ان يعافينى قال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خيرٌ لك قال فادعه قال فامره ان يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعوا بهذا الدعاء اللّهم انّي اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبى الرحمة انى توجهت بك الى ربى فى حاجتى هذه لتقضى لى اللّهم فشفعه فىّ هذا حديث حسن صحيح (ترمذی شریف ۲/۱۹۸، معجم کبیر ۹/۳۱ حدیث ۸۳۱۱ مسند امام احمد بن حنبل ۴/۱۳۸ عمل الیوم واللیلۃ ۵۱۸ حدیث ۶۲۸) المستدرک للحاکم ۱/۷۰۱ حدیث ۱۹۰۹ - ۱/۷۰۷ حدیث ۱۹۲۹ -

(۱) حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص جو آنکھوں سے کمزور تھے حضورؐ کی خدمت میں آکر اللہ سے دعاء کی گزارش فرمائی کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹادے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو دعاء کردوں اگر چاہو تو صبر کرو۔ اور صبر ہی تمہارے لئے بہتر ہوگا اس شخص نے حضورؐ سے دعاء کیلئے اصرار فرمایا! فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اس نابینا آدمی کو حکم فرمایا کہ اچھی طرح وضوء کریں اور اس دعاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگیں کہ اے اللہ بیشک میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ اور تیرے نبی محمد جو نبیٔ رحمت ہیں ان کا واسطہ اور ان کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بے شک میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی اس ضرورت کے سلسلہ میں تاکہ تو میری ضرورت پوری کردے اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول کیجئے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اس حدیث شریف کو صحیح کہا ہے۔ اور امام ابوبکر الدینوری شافعی نے فرمایا کہ یہ حدیث علیٰ شرط البخاری ہے۔ پھر بھی معاندین نے اپنی مرضی کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو مجروح قرار دینے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کی ہیں۔ جو نہایت بے انصافی کی بات ہے۔ جب صحیح حدیث شریف ہے تو اس کو مان لینا چاہیئے۔ نیز اس حدیث شریف کے اصل مضمون پر غور فرمائیں کہ ضریر البصر آدمی نے آپ سے دُعار کی گذارش کی، مگر آپ نے خود دُعار نہیں فرمائی، بلکہ اس سے کہا کہ اس طریقہ سے وسیلہ اور توسّل کے الفاظ کے ساتھ دُعار کرو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اس نابینا آدمی کے لیے خود کیوں دُعار نہیں فرمائی۔ اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو بات صاف ہوجائیگی۔ خود حدیث شریف کا مضمون یہ بتا رہا ہے کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ہر وقت ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے جو آپ سے دُعار کرانے کے لیے خواہش رکھتے ہوں۔ لہٰذا آپ نے اس حدیث شریف کے ذریعہ سے ساری امت کے لئے ایک لائحہ عمل بتلا دیا ہے۔ کہ اس طرح کے الفاظ کے ساتھ اور اسی طریقہ سے آپ کی نبوت کی عظمت و حرمت کے توسّل سے لوگ دُعار مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیگا جو آپ کے فرمان میں اللّٰھمّ انّی اسئلُکَ واتوجّہ الیک بنبیّك محمّد نبیّ الرّحمَۃ کے الفاظ سے صاف واضح ہوتا ہے۔

(۲) قال ابو بکر علّمنی رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم ھٰذا الدُّعاء فقال قل اللّٰھمّ اِنّی اسئلك بمحمّدٍ نبیّك وبابراھیم خلیلك وبموسٰی نجیّك و عیسٰی روحك وکلمتك وبتوریت

(۲) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دُعا سکھائی اور فرمایا کہ ان الفاظ سے دُعا کیا کرو کہ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے نبی محمدؐ اور تیرے خلیل ابراہیمؑ کے وسیلے سے اور تیرے نجی موسیٰؑ کے توسل سے اور تیری روح او.

موسٰی وانجیل عیسٰی وزبور داؤد وفرقان محمد وکل وحی اوحیته وقضاء قضیته واسئلك بکل اسم هو لك انزلته فی کتابك واستأثرت به فی غیبك واسئلك باسمك الطهر الطاهر بالاحد الصمد الوتر وبعظمتك وکبریائك وبنور وجهك ان ترزقنی القرآن والعلم وان تخلطه بلحمی ودمی وسمعی وبصری وتستعمل جسدی بحولك وقوتك فانه لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

(مجمع الفوائد ۲/۲۶۴)

تیرے کلمہ حضرت عیسٰی کے توسل سے اور موسٰی ؑ کی تورات اور عیسٰی کی انجیل اور داؤد ؑ کی زبور اور محمد ﷺ کی فرقان کے توسل سے اور ہر اس وحی کے وسیلے سے جو تونے کسی نبی کو وحی کیا ہے اور ہر اس فیصلہ کے توسل سے جو تو کرتا ہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے جسکو تونے اپنی کتاب میں نازل فرمایا اور میں اسکو ترجیح دیتا ہوں تیرے غیب میں اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے اس نام سے جو پاک اور ظاہر ہے۔ احد اور صمد کے توسل سے اور تیری عظمت اور تیری کبریائی کے واسطے سے اور تیرے نور کے واسطے سے میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو مجھ کو قرآن اور علم عطا فرما۔ اور میں تجھ سے یہ بھی مانگتا ہوں کہ تو اسکو میرے گوشت میں میرے خون میں میرے کان میں میری آنکھوں میں رسا بسا دے اور تو میرے جسم کو اپنی طاقت اور اپنی مدد سے معمور فرما دے اسلئے کہ گناہوں سے حفاظت اور نیکی کی قوت تیرے بغیر نہیں ہو سکتی۔

حضرت عثمان بن حنیف کی روایت معجم کبیر طبرانی میں تقریباً ایک صفحہ پر لمبی چوڑی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان کے پاس اپنی کسی ضرورت کے لئے آتا جاتا رہا۔ آخر اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس کی شکایت فرمائی تو حضرت عثمان ابن حنیف نے ذیل میں آنیوالے الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کے توسل سے دعاء کا طریقہ بیان فرمایا اس کو

ملاحظہ فرمایئے۔

(۳) عثمان بن حنیف: رفعہ: (۳) حضرت عثمان ابن حنیف نے اس آدمی سے کہا کہ وضو

ایت المیضاۃ فتوضأ ثم صلّ رکعتین ثم ادع بھذہ الدعوات اللّٰھم انی اسئلك واتوجہ الیك بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ۔ یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فیقضی لی حاجتی (جمع الفوائد ۱/۱۱۵، معجم کبیر ۹/۳۰ حدیث ۸۳۱۱ بسند جید المستدرک ۱/۷۰۷)	کا پانی لاکر وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر ان الفاظ کے ساتھ دعا کرو۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف ہمارے نبی محمد جو کہ رحمت کے نبی ہیں ان کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کردے۔

یہ طبرانی شریف کی لمبی روایت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ جو ہم نے ابھی آپکے سامنے پیش کیا ہے۔ اور اس روایت کے اندر حضرت عثمان بن حنیف نے ترمذی شریف کی اس صحیح روایت کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں حضورؐ نے نابینا آدمی کو وسیلہ کے ساتھ دعار سکھائی تھی۔ اور اس حدیث شریف پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے حضور کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں یہ دعار سکھائی ہے۔ اور صحابہ نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعار مانگی ہے۔

(نوٹ) اس میں یا محمد کا خطاب شاید اسلئے ہے کہ یہ دعا آپ کی قبر اطہر کے پاس ہی مانگی گئی تھی۔ یا ایسا ہے جیسا کہ التحیات میں السلام علیک ایہا النبی ہے۔

۲ــــــ دوسری قسم کے دلائل

وہ روایات ہیں جن کے اندر اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کی صحیح روایات میں اعمال صالحہ کو وسیلہ بناکر دعار مانگنے کا ذکر موجود ہے۔ اس موضوع

کی روایات بخاری شریف میں پانچ مقامات پر موجود ہیں کہ تین آدمی کہیں جارہے تھے ،
راستہ میں سخت بارش کی وجہ سے انہوں نے ایک غار میں پناہ لی کہ اسی اثنار میں پہاڑ
کے اوپر سے ایک بڑی چٹان نے آکر غار کے منہ کو ڈھک دیا تو ان تینوں آدمیوں نے
اپنے اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعار مانگی۔ ایک نے یہ دُعار مانگی کہ اے
اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے کمزور تھے اور میری بیوی اور چھوٹے
چھوٹے بچے تھے ، ان کے گذارے کے لئے میں بکریاں چرایا کرتا تھا ، اور ان کا دودھ
پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا تھا ، اسکے بعد اپنے چھوٹے بچوں کو اور پھر اپنی بیوی کو —
ایک رات ایسا ہوا کہ جب میں دُودھ دوہکر لایا تو میرے ماں باپ سو چکے تھے میں نے
یہ گوارا نہیں کیا کہ ماں باپ کو بیدار کروں ۔ لہٰذا میں دُودھ کا پیالہ لیکر ان کے
بستر کے سامنے اس انتظار میں کھڑا رہا کہ جب بھی بیدار ہوں گے میں دُودھ پلا دونگا
رات کا کافی حصہ گزر گیا میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے میرے پیروں کے
پاس بلبلاتے رہے اور روتے رہے لیکن میں نے اپنے ماں باپ سے پہلے بچوں کو
دُودھ پلانا گوارا نہیں کیا ، اسی طرح کھڑے کھڑے مجھ کو صبح ہوگئی ۔ اگر میں نے یہ کام تیری
رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تو اس پتھر اور چٹان کو اتنا ہٹا دے کہ آسمان نظر آنے لگے ،
نانچہ پتھر اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہٹا ۔

دوسرے نے اس طرح دُعار کی کہ اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں اپنے خاندان کی
ے عورت سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا ، اور میں اس کے ساتھ اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا
ا مگر اس عورت نے یہ شرط لگائی کہ سَو دینار دوگے تو خواہش پوری ہوگی ۔ میں نے
ی محنت و مشقت سے سَو دینار کمائے پھر وہ اُسے لاکر دیئے ۔ جب میں خواہش پوری
نے کے لئے اس کے اُوپر بیٹھنے لگا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر ۔ تو اس پر میں فوراً ہٹ گیا ۔
ام میں نے صرف تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا ، لہٰذا اس عمل کی برکت سے اس

چٹان کو ہم سے اتنا ہٹادے کہ جس سے یہ غار دو ثلث کھل جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چٹان کو اتنا اور ہٹادیا۔

اس کے بعد تیسرے نے اس طرح دُعا مانگی کہ اے اللہ تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے ایک آدمی کو اپنے یہاں چند صاع غلّہ کے عوض مزدوری پر رکھا تھا۔ جب میں نے اس کی مزدوری دینی چاہی تو اس نے انکار کردیا تھا۔ میں نے اس کے غلّہ کو زمین میں بویا، پھر اُسے بڑھایا، اور بڑھاتے بڑھاتے اس سے جانور خریدنا شروع کردیا جس کے نتیجہ میں جانوروں کی ایک بھاری تعداد ہوگئی۔ ان کا ایک چرواہا بھی ہوا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد وہ شخص آیا اور اپنی مزدوری طلب کی۔ میں نے تمام جانور مع چرواہے کے اس کے حوالہ کردیئے تو اسکو یقین نہیں آیا اور کہنے لگا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔ میں نے کہا مذاق کی بات نہیں۔ یہ سب آپ ہی کے ہیں۔ اگر میں نے یہ کام تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس چٹان کو غار کے منہ سے بالکل ہٹادے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی اور چٹان غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی۔ تینوں آدمی غار کے منہ سے باہر نکل آئے۔

اب حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خرج ثلثة نفر یمشون فاصابھم المطر فدخلوا فی غار فی جبلٍ فانحطت علیھم صخرة قال فقال بعضھم لبعض ادعوا اللہ بافضل عمل عملتموہ فقال احدھم اللّٰھمّ انی کان لی ابوانِ شیخانِ کبیرانِ وکنت اخرج فارعٰی ثم اجیٔ فاحلب فاجیٔ بالحِلاب فاتی بہ ابویّ فیشربانِ ثم اسقی الصّبیة واھلی وامرأتی فاحتبست لیلة فجئت فاذا ھما نائمانِ قال فکرھتُ ان اوقظھما والصّبیة یتضاغون عند رجلی فلم یزل ذلک دأبی ودأبھما حتی طلع الفجر اللّٰھمّ ان کنت تعلم انی فعلت ذلک ابتغاء وجھک فافرج عنّا فرجة نری منھا السماء قال ففرج عنھم فقال الاٰخر اللّٰھمّ ان کنت تعلمُ انی

كنت احب امرأة من بنات عمي كاشد ما يحب الرجل النساء، فقالت لا تنال ذلك منها حتى تعطيها مائة دينار فسعيت فيها حتى جمعتها فلما قعدت بين رجليها قالت اتق الله ولا تفض الخاتم الا بحقه فقمت وتركتها فان كنت تعلم اني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج عنها فرجة قال ففرج عنهم الثلثين: وقال الآخر اللهم ان كنت تعلم اني استاجرت اجيرا بفرق من ذرة فاعطيته فابى ذلك ان ياخذ فعمدت الى ذلك الفرق فزرعته حتى اشتريت منه بقرا وراعيها ثم جاء فقال يا عبد الله اعطني حقي فقلت انطلق الى تلك البقر وراعيها فقال اتستهزئ بي، قال قلت ما استهزئ بك ولكنها لك اللهم ان كنت تعلم اني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج عنا فكشف عنهم. الحديث۔ (بخاری شریف ۱/۲۹۳، حدیث ۲۱۹۴، ۱/۳۰۳ حدیث ۲۲۱۷، ۱/۳۱۳ حدیث ۲۲۷۵، ۱/۴۹۳ حدیث ۳۴۶۴، ۲/۸۸۳ حدیث ۵۰۷۴، مسلم شریف ۲/۳۵۳)

مذکورہ حدیث شریف سے یہ ثابت ہوا کہ اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعا مانگنا جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دعا قبول بھی فرماتا ہے۔ جیسا کہ بخاری مسلم کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوا۔ اس روایت کا ترجمہ اس لئے نہیں کیا کہ اوپر جو عربی عبارت سے پہلے وضاحت ہے وہی ترجمہ کے لئے کافی ہے۔

۳۔۔۔ تیسری قسم کے دلائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضورؐ کے توسل سے اور حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کی نبوت کی عظمتِ شان کے توسل سے دعا مانگنا اُن دونوں قسم کی احادیث سے

ثابت ہوا۔ اسی طرح غیر نبی جو کہ مقبولِ بارگاہ ہو یا رسولؐ اللہ کی خاندانی قرابت کی عظمت ان کو حاصل ہو اُن کے توسل سے بھی دُعار مانگنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بخاری میں حضرت عباسؓ کے توسل سے دُعار مانگنا ثابت ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

حدثنا الحسن بن محمد قال حدثنا محمد بن عبد الله الانصاری قال حدثنی ابی عبد الله المثنیٰ عن ثمامة ابن عبد الله بن انس عن انس بن مالك ان عمر بن الخطابؓ کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال اللّٰهمّ اِنّا کنّا نتوسّل الیك بنبیّنا صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانا نتوسّل الیك بعم نبیّنا فاسقنا قال فیسقون۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے تو حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دُعار مانگی تو اس میں کہا کہ اے اللہ ہم اپنے نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تجھ سے دُعار کیا کرتے تھے تو ہمارے اُوپر بارش برساتا تھا اور بے شک ہم اپنے نبی کے چچا کے توسل سے تجھ سے دُعار مانگتے ہیں۔ لہٰذا تو ہم پر بارش برسا۔ لوگ بارش کے پانی سے سیراب ہو جاتے تھے۔

(بخاری شریف ۱/۱۳۷ حدیث ۱۰۰۰)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے توسل سے جو دُعار مانگی گئی ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ زندہ آدمی کے توسل سے دُعار مانگنا جائز ہے۔ اور وفات کے بعد نبی کے توسل سے بھی دُعار جائز نہیں ہے۔ اگر جائز ہوتی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ کو وسیلہ نہ بنایا جاتا، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات کو وسیلہ بنایا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حدیث فہمی کے انداز میں فرق ہوا ہے۔ حدیث شریف کا

یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے توسل سے دُعاء مانگنا جائز نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر نبی کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے۔ حدیث شریف کا یہی مطلب راجح ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ کسی طرح کا کوئی تعارض واختلاف باقی نہیں رہتا۔ اور جو لوگ یہ مطلب لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ زندگی میں وسیلہ جائز اور وفات کے بعد جائز نہیں۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ وفات کے بعد آپ کے وسیلہ سے دُعاء مانگنا شرک ہے۔ ووسیلۃ الی الشرک (حاشیہ فتح الباری تحت حدیث ۱۰۱۰، ۲/۵۷۵)

حیرت کی بات یہ ہے کہ کس حدیث کے ذریعہ سے یہ لوگ اس کو وسیلۃ الی الشرک کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دلیل صریح کے بغیر شرک کا الزام لگانا کتنا آسان سمجھ بیٹھے۔ معجم کبیر کے حاشیہ میں وسیلہ کی حدیث شریف کو صحیح کہہ کر پھر توسل کو بدعت کہا ہے۔

قلت لاشك فی صحۃ الحدیث المرفوع انما الشك فی ھٰذہ القصۃ التی یستدل بها علی التوسل المبتدع بها۔ (حاشیہ طبرانی ۹/۳۰)

یہ افسوس کی بات ہے کہ جو حدیث ان کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے اس کو ہر اعتبار سے قوی کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو حدیث ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو یا صرف مسلکِ حنفی کے مطابق ہو تو اس کو کسی نہ کسی طریقے سے ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ اس طرح مجبوراً ان لوگوں کو بلاوجہ ان تمام روایات کو غلط کہنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ جن میں نبی کی وفات کے بعد نبی کے توسل سے دُعاء کا جواز ثابت ہے۔ حالانکہ وہ روایات بھی صحیح سند سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ حضرت سہل بن حنیف اور حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ہے۔ اس لئے حدیث شریف کا مطلب وہ نہیں ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ حدیث کا مطلب غیر نبی کے توسل سے دُعاء کے جواز پر ہے۔ جس میں کوئی تعارض واختلاف باقی نہیں رہتا۔ بلکہ تمام

احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اب بعد الوفات توسل کے جواز پر حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے۔

بعد الوفات توسل کی حدیث

① حدثنا طاهر بن عيسى بن قيرس المقرى المصرى التميمى حدثنا اصبغ بن الفرج حدثنا عبد الله بن وهب ان شبيب ابن سعيد المكى عن روح بن القاسم عن ابى جعفر الخيطمى المدنى عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف انّ رجلًا كان يختلف الى عثمان بن عفانؓ فى حاجة له فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر فى حاجته فلقى عثمان فصل فيه ركعتين ثم قل انّى اسئلك و اتوجه اليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة يا محمد انّى اتوجه بك الى ربى فتقضى لحاجتى۔ الحديث۔

(المعجم الصغير للطبرانی ۱۰۳/۱ و بمعناہ فی المعجم الکبیر للطبرانی ۳۰/۹ حدیث ۸۳۱۱)

حضرت ابو امامہ ابن سہل ابن حنیفؓ اپنے چچا حضرت عثمان ابن حنیفؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کسی ضرورت کیلئے ان کے پاس بار بار آتا جاتا رہا حضرت عثمانؓ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی ضرورت پر غور فرمایا۔ تو آخر اس آدمی نے حضرت عثمان ابن حنیفؓ سے ملاقات کی تو حضرت عثمان ابن حنیف نے ان سے فرمایا کہ اس سلسلے میں دو رکعت نماز پڑھو۔ اور پھر ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو:
اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہونے میں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتا ہوں جو رحمت کے نبی ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں آپ کو اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے میں وسیلہ بناتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کرے

(نوٹ) یا محمد کے لفظ کے ساتھ خطاب اسلئے کیا گیا ہے کہ یہ دعا، آپ کی قبر اطہر کے پاس مسجد نبوی میں کی گئی تھی جہاں سے آپ کو خطاب کیا جا سکتا ہے۔ یا یہ ایسا ہے جیسا کہ التحیات میں السلام علیک ایہا النبی ہے۔

یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے۔ بلاوجہ قبل الوفات و بعد الوفات میں فرق ثابت کرکے اس حدیث کے متن کو زبردستی غلط کہہ کر بعد الوفات وسیلہ کو شرک کہنا خود غلط اور نہایت بے انصافی کی بات ہے۔ کیا وفات کے بعد آپؐ کے نبی الرحمۃ کے درجہ اور آپؐ کی عظمتِ شان میں کوئی فرق آچکا ہے۔؟ اگر فرق آیا ہے تو غیر مقلدین قرآن و حدیث سے ثابت کردیں، ورنہ خود اپنے ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کریں۔ اور اگر فرق نہیں آیا جیسا کہ ہم احناف کہتے ہیں تو وفات سے قبل اور وفات کے بعد دونوں حالتوں میں توسل کا حکم یکساں ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ اور غیر مقلدین کے سربراہ حضرات کے اعمال یہی ثابت کر رہے ہیں کہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔ تو پھر وفات کے بعد پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) رواہ ابن ابی شیبۃ باسنادٍ صحیح (۲) ابن ابی شیبہ نے ابو صالح سمان عن مالک الداری

من روایۃ ابی صالح السمان عن مالك الداری وکان خازن عمرؓ وقال اصاب الناسَ قحط فی زمنِ عمرؓ فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسولَ اللہِ استسقِ لامتك فانھم قد ھلکوا الخ	کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور مالک داری حضرت عمرؓ کے خازن تھے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو ایک آدمی حضورؐ کی قبر اطہر پر آکر عرض کرتا کہ یا رسول اللہ اپنی امت کی سیرابی کیلئے دعاء فرمایئے اسلئے کہ یہ لوگ ہلاک ہوگئے۔

(فتح الباری ۲/۵۰۵ تحت حدیث ۱۰۱۰)

اس حدیث کو اگرچہ سنداً مجہول کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس حدیث کو حدیثِ عثمانؓ کے لئے مؤید اور موافق ضرور کہا جا سکتا ہے۔

توسل کی حقیقت

توسل کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جس حرمت وعظمت کے وسیلے سے دُعا مانگی جارہی ہے اسی سے کوئی چیز حقیقتاً مانگی جارہی ہو، یا وہی مدد کرسکتا ہو۔ بلکہ توسل کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی جاتی ہے اور نبی یا ولی کو صرف وسیلہ بنایا جاتا ہے، تو اس میں شرک یا بدعت کہاں سے لازم آتا ہے؟ نیز ایک عمل ہے وہی عمل زندگی میں شرک نہیں اور موت کے بعد شرک ہوجائے، تو کیسی من گھڑت بات ہے۔ اور اس میں شرک کی کون سی تعریف صادق آتی ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عظمتِ شان اور اس کی حرمت کے بارے میں قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق کرنا کتنی بڑی خطرناک بات ہے۔ آخر اس فرق کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔ غیر مقلدین غور فرمایئے۔

وان التوسل بالنبی وباحد من الاولیاء العظام جائز بان یکون السوال من اللہ تعالیٰ ویتوسل بولیہ ونبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء میں سے کسی کے توسل سے دُعا مانگنا بایں طور جائز ہے کہ سوال اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ولی کی حرمت وعظمت کو واسطہ اور وسیلہ بنایا جاتا ہے
(امداد الفتاوی ۶/۳۲۰)	

اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

مسئلۂ علم غیب

اعتراض ۵۱ "علم الغیب سوائے خدا کے کسی مخلوق کو نہیں ہے"
(مقدمہ ہدایہ ۱/۵۹) .

یہ مسئلہ ہدایہ کے مقدمہ میں تو نہیں ہے۔ عین الہدایہ کے مقدمہ میں موجود ہے۔ اور مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے کہ قرآنِ کریم کے نص قطعی سے یہ بات ثابت ہے کہ علم غیب اللہ رب العالمین علّام الغیوب کے سوا کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے اور جو شخص کسی مخلوق کیلئے علم غیب کا عقیدہ رکھے گا اس کے ایمان کا خطرہ ہے۔ آخر غیر مقلدین اس سے حنفیہ پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ جب کہ حنفیہ کے نزدیک غیر اللہ کیلئے علم غیب ثابت کرنا موجبِ شرک ہے۔

علمِ غیب کی تعریف

علم غیب کسے کہتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ جب تک واضح نہ ہو جائے تو بات اُدھوری رہ جاتی ہے۔ اسلئے پہلے علمِ غیب کی حقیقت واضح ہو جانی چاہیئے۔ علم غیب کا مطلب اور حقیقت یہ ہے کہ غیب کی باتوں کو بلا کسی کنکشن اور واسطہ کے جان لیا جائے نہ بیچ میں فرشتہ کا واسطہ ہو اور نہ وحی کا واسطہ ہو۔ اسی طرح نہ کسی ٹیلیفون کے تار کا واسطہ ہو اور نہ مُبایل کے ٹاور کا اسمیں کوئی دخل ہو اور نہ فضاء اور خلاء میں سٹلائٹ کا واسطہ ہو اور نہ ہی الٹراساؤنڈ کا آلہ ہو۔ غرضیکہ کسی قسم کا واسطہ اور کنکشن اور آلہ کے بغیر غیب کی باتوں کو جان لینے کا نام علم غیب ہے۔ بلٰذا وحیِ الٰہی کے واسطے یا فرشتے یا مخلوق کے واسطے سے غیب کی باتیں معلوم

ہوجانا علم غیب نہیں ہے۔ اسی طرح ٹیلیفون کے تار کنکشن سے یا موبائل فون کے ٹاور اور شجلائٹ کے واسطے سے ایشیا میں رہ کر ایک منٹ میں امریکہ کی بات معلوم ہوجائے تو یہ علم غیب نہیں ہے اور نہ ہی دُنیا میں کوئی اس کو علم غیب کہتا ہے۔ اسی طرح الٹرا ساؤنڈ کے آلہ کے واسطے سے عورت کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے یا مُردہ، لڑکا ہے یا لڑکی کتنی عمر کا بچہ ہے۔ کوئی غیر مسلم بھی بتادیتا ہے۔ اس کو کوئی علم غیب نہیں کہہ سکتا بلکہ علم غیب تو وہ ہے جو کسی قسم کے کنکشن آلہ اور واسطے کے بغیر معلوم ہوجائے اور یہ علم غیب صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی صفتِ خاصہ ہے۔ کائنات میں کسی مخلوق کو یہ علم حاصل نہیں۔ نہ نبی کو حاصل ہے اور نہ کسی ولی کو اور نہ کسی تجربہ کار سائنسداں کو نیز مخصوص فرشتہ اور وحی کے ذریعہ سے غیب کا علم جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ مگر غیر نبی کو وحی یا فرشتہ کے توسط سے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ علم غیب ہے بلکہ جو نبی کو حاصل ہوتا ہے وہ بھی علم غیب نہیں ہے جیسا کہ اوپر واضح ہوچکا۔

اب کوئی بتادے کہ کیا ایسا علم غیب کائنات میں کسی مخلوق کو حاصل ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ صرف خالقِ کائنات کی ذات کیساتھ خاص ہے۔ نیز اس کے علاوہ باقی علوم علم غیب کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا کھینچ تان کر ان کو علم غیب کہنے سے وہ علم غیب نہ ہوگا۔

علم غیب اللہ کے ساتھ خاص ہونے پر قرآنی دلائل

ماقبل میں علم غیب کی تعریف آپ کے سامنے واضح کردی گئی ہے کہ علم غیب کی حقیقت کیا ہے۔ اس سے یہ بات صاف واضح ہوگئی کہ خدا کی ذات کے سوا کسی بھی مخلوق کو علم غیب حاصل نہیں ہوسکتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کیلئے علم غیب کو ثابت کریگا گویا کہ وہ قرآنِ کریم کی نص قطعی کا انکار کرنیوالا ہوگا اور نص قطعی کا انکار موجب کفر ہے۔

لہٰذا اس کے باوجود جو شخص ایسا عقیدہ رکھے گا وہ اپنے ایمان کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم کی بیشمار آیتوں میں سے چند آیاتِ کریمہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جن سے صاف واضح ہو جائیگا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے کسی بھی مخلوق کیلئے ممکن نہیں۔

① وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ۔ (سورہ انعام آیت ۵۹)
(۱) اللہ ہی کے پاس غیبی خزانوں کی کنجیاں ہیں انکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

② قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (سورہ نمل آیت ۶۵)
(۲) اے نبی آپ کہدیجئے کہ آسمان و زمین میں کوئی بھی فرد بشر غیب کی باتوں کو نہیں جان سکتا بلکہ صرف اللہ ہی ان چیزوں کا علم رکھتا ہے۔

③ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (سورہ یونس آیت ۲۰)
(۳) بس اے نبی آپ کہدیجئے کہ غیب کی بات صرف اللہ ہی جانتا ہے لہٰذا تم اسکا انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالا

④ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورہ نحل آیت ۷۷)
(۴) اور اللہ تعالیٰ ہی کو آسمان و زمین کی غیبی راز کا علم ہے۔

⑤ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۹)
(۵) جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کر کے فرمائے گا کہ تمہیں اپنی اپنی امت کی طرف سے کیا کیا جواب ملا تو سب کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے اور غیب کی ڈھکی چھپی باتوں کو تو ہی جاننے والا ہے۔

⑥ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ (سورہ ہود آیت ۱۲۳)
(۶) اور اللہ ہی کو آسمان اور زمین کی غیبی راز کا علم ہے۔ اور اسی کی طرف سب معاملات لوٹنے والے ہیں۔

⑦ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
(۷) اللہ ہی کے پاس آسمان و زمین کے غیبی راز ہیں وہ کیا

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (سورہ کہف آیت ۲۶) عجیب دیکھتا ہے اور کیا عجیب سنتا ہے۔
یہی ہم حنفی دیوبندی کا عقیدہ ہے۔ پھر غیر مقلدین ہم حنفیوں پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ جبکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی بھی مخلوق کو علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔

قرآن سے فال نکالنے کا مسئلہ

(اعتراض ۵۲) "قرآن سے فال نکالنا حرام ہے"
(بحوالہ مقدمہ ہدایہ ۱/۷۷)

ہدایہ کے مقدمہ میں کہیں بھی قرآن سے فال نکالنا جائز ہے یا ناجائز اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ عین الہدایہ کے مقدمہ میں شارح نے بیان کیا ہے اور نفس مسئلہ درست ہے کہ فال نکالنا حنفیہ کے نزدیک مشروع نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۲۱۹/۹)
پھر اگر کوئی شخص فال نکالنے کو جائز کہتا ہے تو یہ اس کی اپنی بات ہے احناف کی نہیں۔ اس سے احناف پر کوئی الزام نہیں۔

طاعون اور ہیضہ میں اذان

(اعتراض ۵۳) "طاعون اور ہیضہ میں اذان دینا بے وقوفی ہے"
(بحوالہ ہدایہ ۳/۲۲۲)

ہدایہ رابع کے متن یا اسکے حاشیہ میں طاعون یا ہیضہ میں اذان دینا جائز ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ نہیں۔ ہاں البتہ قرآن وحدیث میں طاعون اور ہیضہ وغیرہ کے موقع پر اذان دینا ثابت نہیں۔ اسلئے حنفیہ کی کتابوں میں اسکے جواز کا کوئی ذکر نہیں ملیگا۔ اور نہ ہی ان مواقع میں اذان دینا مسلکِ حنفی میں مشروع ہے۔ (امداد الاحکام ۲/۳۵، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹۳/۲)

اگر کوئی طاعون وبیضہ میں اذان دیتا ہے تو واقعی اس کی بیوقوفی ہے جبکا شرعاً کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ آخر غیر مقلدین اس اعتراض سے کیا نتیجہ مرتب کرنا چاہتے ہیں؟

دُعاء گنج العرش اور عہد نامہ کی سند

(اعتراض نمبر ۵۴) ٭ دعاء گنج العرش اور عہد نامہ کی اسناد بالکل گھڑی ہوئی ہیں۔ (بحوالہ بہشتی زیور ۱۰ / ۵۲)

اسمیں حوالہ بھی صحیح ہے اور مسئلہ بھی درست ہے۔ اور دُعاء گنج العرش میں دُعاء کے جو الفاظ ہیں وہ اپنی جگہ درست ہیں اسی طرح عہد نامہ میں الفاظ اپنی جگہ درست ہیں اسلئے کہ کسی بھی الفاظ اور زبان سے دُعاء مانگنا مشروع ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے ثواب کیلئے جو باتیں منسوب کی گئیں ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتوں کو منسوب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

مَنْ تَقَوَّلَ عَلَیَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (ابن ماجہ شریف ۱/۵)

ترجمہ: جو شخص بتکلف میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

لہٰذا جو شخص دُعاء گنج العرش وعہد نامہ کو ان فضائل کی نیت سے پڑھتا ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف من گھڑت انداز سے منسوب کیا گیا ہے اسکا ذمہ دار وہ خود ہے مسلک حنفی سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلۂ مولود

(اعتراض نمبر ۵۵) ٭ مولود میں راگنی سے اشعار پڑھنا اور سننا حرام ہے۔ (بحوالہ ہدایہ ۴ / ۲۴۰)

اس مسئلہ میں ہدایہ کا حوالہ غلط ہے۔ یہ مسئلہ ہدایہ میں کہیں نہیں ہے۔ ہاں البتہ ہدایہ کے ترجمہ

عین الہدایہ ۴/۲۲۲ میں مترجم نے ترجمہ سے ہٹ کر اپنی طرف سے یہ مسئلہ لکھا ہے۔ اور نفس مسئلہ اس طرح درست ہوسکتا ہے کہ مولود شریف کے نام سے راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا حضورؐ کی توہین ہے۔ نیز اشعار پڑھتے وقت یا وعظ و تقریر کے درمیان مولود شریف پڑھتے وقت سب لوگوں کا اس عقیدہ سے کھڑا ہوجانا کہ آپؐ تشریف لائے ہوئے ہیں تو یہ ناجائز اور گناہ ہے۔ ورنہ نفس ذکر ولادت شریفہ بلا کسی رسم و رواج کے باعث خیر و برکت ہے۔ اور اس عقیدہ سے کھڑے ہوجانا کہ آپ بنفس نفیس یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں یا آپ کو اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر یا فرشتوں کے ذریعہ پہونچائے بغیر اس محفل کا علم ہوچکا ہے یہ سخت ترین گناہ ہے اور ایمان سے خارج ہوجانیکا بھی خطرہ ہے۔

القیامُ عندَ ذکرِ ولادتِہ الشریفۃ حاشا اللہِ اَنْ یکون کفرًا۔

(امداد الفتاویٰ ۶/۲۲۷، مطبع زکریا دیوبند)

اب اگر کوئی شخص ان رسومات و لوازمات کا مرتکب ہوتا ہے اور بوقتِ ذکرِ ولادت شریفہ قیام کرتا ہے تو وہ اسکا ذاتی عمل ہے۔ مسلکِ حنفی کا اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا یہ عمل مسلکِ حنفی کے مخالف ہے اور ایسا کرنیوالا خود اسکا ذمہ دار ہے۔ اس عمل کا کرنے والا خواہ غیر مقلد ہو یا شافعی یا حنفی غرضیکہ کوئی بھی ہو حنفی مسلک اسکا ذمہ دار نہیں کیوں کہ احناف کی کتابوں میں ناجائز اور حرام لکھا ہے۔ پھر مسلکِ حنفی پر کیا الزام ہے؟

شبِ برات کا حلوہ اور رسوماتِ محرم

(اعتراض ۵۶) "شب برأت کا حلوہ اور رسوماتِ محرم سب بدعت ہیں": (بحوالہ بہشتی زیور ۴/۹۹)

حوالہ اور مسئلہ دونوں اپنی جگہ صحیح ہے بہشتی زیور اختری ۶/۶۱ میں ان سب مسائل کا ذکر موجود ہے اور ان سب کو واہیات اور غلط عقیدہ اور گناہوں کا ارتکاب بتلایا ہے اور یہی حنفی

مسلک کا عقیدہ ہے کہ یہ سب رسومات ولوازمات بدعت اور غیر شرعی امور ہیں جن سے بچنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا جو شخص ان رسومات ولوازمات کا ارتکاب کرتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ مسلک حنفی کا ان امور سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر غیر مقلدین اس مسئلہ سے احناف پر کیا الزام قائم کرنا چاہتے ہیں۔؟

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وھو المستعان والمعین

اللہ اکبرُ کبیرًا والحمد للہِ کثیرًا وسبحان اللہِ بکرۃً وَّاصیلًا۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد۔ الہند

۱۲ صفر ۱۴۲۲ھ